جدوجہدوعمل۔۔۔قومی بیداری کیلئے!!!

ماہنامہ

آزاد

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد)

اگست:2012 | شمارہ نمبر:1 | جلدنمبر:1

فہرست

اداریہ		02
کونسل سیشن رپورٹ	ادارہ	03
پاکستانی عدلیہ اور حقائق	ڈاکٹر منان بلوچ	09
شعور سے شعور تک	منظور عزت بلوچ	11
قومی جنگوں میں جانوں کا ضیاع۔۔	علی شیر	16
آزادی کی جدوجہد اور فرد کا کردار	یار جان بلوچ	18
قصہِ اگست بلوچ تاریخ کے تناظر میں	پھلین بلوچ	21
امریکی بل اور ہماری امیدیں	صہیب مینگل	28
بلوچستان۔۔متوسط طبقے کی بغاوت	مہوش احمد	31
کاؤنٹر انسرجنسی اور ریاستی ادارے	دوستین بلوچ	34
شہید ناصر ڈگارزئی کے ساتھ کچھ یادیں کچھ باتیں	میر دادین بلوچ	36
دہلی کی جنگ اور شیر زال بانڑی	بیرک بلوچ	39
انقلابی تحریکیں اور خونی رشتوں کا خاتمہ	بورتاچ بلوچ	41
دشمن کی زبان سیکھ لو	شہباز بلوچ	45
کرائے کے ظلِ الٰہی	ثناءاللہ بلوچ	47
قدرتی دولت سے مالا مال بلوچستان	ماروہ گل بلوچ	49
آئینہ حقائق۔۔۔ماہانہ تجزیہ	پھلین بلوچ	51
کونسل سیشن سے متعلق اخباری بیانات	ادارہ	59

E-mail : azadmagazine@gmail.com

www.sagaar.org

ادار یہ

مقبوضہ بلوچستان میں فضائی کاروائی کی بازگشت اور جنگی ماحول ایک خونی کھیل کا عندیہ ہیں۔۔

ظالم ومظلوم، حاکم ومحکوم، قابض ومقبوض کے درمیان جنگ کے واقعات سے بھری دنیا کی تاریخ میں طاقت ور اور زور آور اقوام کا کمزور اور زیر دست اقوام پر ظلم و جبر اور تشدد نئی بات نہیں۔ ہمیشہ سے یہ ہوتا رہا ہے کہ جب کوئی طاقت ور قوم اپنے مخصوص مفادات کی تکمیل کیلئے کسی کمزور قوم کی آبائی سر زمین پر قبضہ جما کر اسے غلام بناتا ہے تو وہ اس قوم کے ہر طبقے کے افراد (ماسوائے چند بے ضمیر غداروں کے) کو عمر وجنس سے بالاتر ہو کر اپنا دشمن تصور کر کے تہذیب، مروجہ اصول اور جنگی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان پر ظلم وجبر کے پہاڑ توڑنے میں کسی پس وپیش سے کام نہیں لیتا۔

جیسا کہ تاریخ عالم کے عظیم انقلابی رہنما ''ڈاکٹر چے گویرا'' کہتے ہیں ''نو آبادیوں میں غیر مسلح لوگوں کے خلاف لڑنا نو آبادیاتی سامراجیوں کا مخصوص انداز ہوتا ہے''۔

ٹھیک اسی طرح بلوچ سر زمین پر قبضہ جمانے کے بعد ریاست پاکستان نے بلوچ قوم کی آواز کو دبا کر اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے فوجی کاروائی، فضائی کاروائی ،حراستی قتل، انسانیت سوز تشدد سمیت ہر قسم کے وحشیانہ ہتھکنڈے استعمال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ 1948 میں اپنے قبضے کے ساتھ سے ہی قابض نے بلوچ قوم پر ظلم وجبر کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کیا تھا جو پوری آب وتاب کے ساتھ ہنوز جاری ہے۔ 1973 میں سامراجی عطاء کردہ کوبرا ہیلی کاپٹروں کی مدد سے بلوچ گدانوں (خاص طور پر کوہستان مری میں) 5 سال تک مسلسل بمباری کر کے عورتوں، بچوں اور پیراں سال بزرگوں سمیت ہزاروں معصوم بلوچوں کو موت کی آغوش میں دھکیل دیا گیا۔ مگر پھر بھی قبضہ گیر بلوچ قوم کی آواز کو دبا کر اسے چُپ کرنے میں یکسر ناکام رہا۔

2002 سے شروع قابض اور بلوچ قوم کے درمیان موجودہ جنگ میں بھی ہزاروں بلوچ دشمن کی وحشت وبربریت کا نشانہ بنے ہیں۔ مارچ 2005 میں ڈیرہ بگٹی میں وحشیانہ بمباری میں سینکڑوں افراد کے لقمہ اجل بن جانے سے لیکر حال ہی میں اسپلنجی، کابو اور مارگٹ میں فضائی کاروائی میں معصوم خواتین وبچوں کی شہادت تک سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

بلوچ قوم کو معاشی پیکج، لالچ ومراعات کا جھانسہ دے کر ورغلانے میں ناکامی کے بعد ستمبر 2010 میں قابض ریاست کے وزیر داخلہ نے مقبوضہ بلوچستان میں اپنی رٹ کی بحالی کیلئے ڈنڈا چلانے کا اعلان کر دیا جسکے بعد بلوچ فرزندوں کی مسخ کی ہوئی تشدد زدہ لاشیں پھینکنے کا ایک نہ رکھنے والا سلسلہ شروع ہوا۔ مگر 600 کے قریب بلوچ فرزندوں کی مسخ شدہ لاشیں پھینکنے اور ہزاروں کو اغواء کر کے اپنے قلی کیمپوں میں انسانیت سوز تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد ناکامی نے دشمن کو نفسیاتی ہیجان میں مبتلا کر کے حواس باختہ کر دیا ہے۔ جس سے گھبرا کر وہ وحشی درندے کی طرح خونی کھیل کھیلنے پر اتر آئی ہے۔ گزشتہ ماہ آئی۔ جی ایف ۔سی نے اپنے دورہ ایران کے بعد پریس کانفرس میں کہا تھا کہ حکومت اگر اجازت دے (جو حقیقت میں اسے پہلے سے درپردہ قوتوں کی جانب سے مل چکی تھی) تو فراری کیمپوں (بلوچ گدانوں) کو فضائی کاروائی کی مدد سے ختم کر سکتے ہیں جسکے ساتھ ہی کوہلو اور ڈیرہ بگٹی میں بمباری کا آغاز کر کے سینکڑوں بلوچوں کو خون میں نہلا دیا گیا۔ اب وفاقی اور کٹھ پتلی صوبائی حکومت نے بلوچ سر زمین پر بسنے والی بلوچ قوم کے خلاف فضائی کاروائی کا اعلان کر کے اسپلنجی، کابو، مارگٹ، بلینٹ اور پیشکان میں گن شپ ہیلی کاپٹروں سے بمباری کر کے خواتین وبچوں سمیت کئی افراد کو شہید کر دیا۔ مقبوضہ بلوچ سر زمین پر فضائی بمباریوں کے اعلان اور جنگی فضا کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا اب بعید از قیاس نہیں رہا کہ دشمن بلوچ سرمچاروں کی قبضہ گیر فورسز پر تابڑ توڑ حملوں اور آزادی پسند سیاسی تنظیموں کی Mass Mobilization کی سرگرمیوں خاص طور پر بی۔ ایس۔ او (آزاد) کے کامیاب کونسل سیشن کے انعقاد سے خائف ہو کر سراسیمگی میں مبتلا ہو چکی ہے جس سے دشمن اور اسکے پارلیمانی گماشتوں کو بلوچ سر زمین پر الیکشن کے انعقاد کے اپنے شیطانی منصوبے کا خواب چکنا چور ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے اور قبضہ گیر اور اسکے پارلیمانی گماشتے ڈرگ مافیا، بھتہ مافیا اور ملاٹولے کے گٹھ جوڑ سے بلوچ گلزمین کو خون میں نہلا کر اپنے مذموم عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی منصوبہ بندی کر چکے ہیں جس سے نمٹنے کیلئے بلوچ آزادی پسند قیادت کو دشمن کی چالوں اور وقت وحالات کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش بندی کرنے کی ضرورت ہے۔

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کا انیسواں قومی کونسل سیشن رپورٹ

ادارہ

7 سے 9 جولائی 2012 کو بی ایس او کا انیسواں قومی کونسل سیشن زیرِ صدارت مرکزی آرگنائزر بانک کریمہ بلوچ بمقام آواران منعقد ہوا۔ پچھلے قومی کونسل سیشن سے حالیہ سیشن تک ،آزادی کے جد جہد میں کئی نشیب و فراز آئے ،جس میں پاکستانی اداروں کی جانب سے کئی نت نئے طریقوں سے تحریکی عمل کو کاؤنٹر کرنے کی کوشش کی گئی ،جن میں بی ایس او کو ایک مادر تنظیم کی حیثیت سے اسکی بیخ کنی کی بے سود کوششوں میں پاکستانی اداروں نے ان گنت بلوچ فرزندوں کو غائب کر کے بعد میں انکی مسخ شدہ لاشیں پھینکنے کے عمل میں بی ایس او آزاد کے کارکنوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا،مگر کارکنوں کی بے لوث قربانیوں اور شعوری جد جہد نے اس مشکل مرحلے کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیا اور آج بی ایس او آزاد قومی تحریک میں ایک نئے جوش و ولولے کے ساتھ اپنا کردار بحسن وخوبی نبھا رہی ہے۔ انقلابی حالات میں تبدیلی کے پیش نظر بی ایس او آزاد مقررہ وقت پر قومی کونسل سیشن کا انعقاد نہیں کرسکی اور وقت وحالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آرگنائزنگ کمیٹی سے لے کر قومی کونسل سیشن کے انعقاد تک کے تمام عمل کو میڈیا میں نہیں لایا جا سکا مگر اس دوران بی ایس او (آزاد) کی سیاسی و تنظیمی سرگرمیاں باقاعدگی سے جاری تھیں۔ قوم کو بہر حال ان تمام باتوں کا بخوبی ادراک ہے کہ ان تمام تر مشکل حالات میں کہ جہاں روزانہ کی بنیاد پر بلوچ فرزندوں کی مسخ شدہ لاشیں پھینکنے کا عمل جاری ہے اور دوسری طرف خود تنظیمی حیثیت سے بی ایس او آزاد کے مرکزی سینئر وائس چیئرمین سنگت ذاکر مجید سمیت کئی کارکناں تاحال خفیہ اداروں کی اذیت گاہوں میں ہیں، اور جو نیئر جوائنٹ سیکرٹری سنگت شفیع بلوچ کو اغواء کے بعد پاکستانی ایجنسیوں نے شہید کر کے اسکی لاش کو ویرانوں میں پھینک دیا، اسی طرح بی ایس او آزاد کے دو مرکزی کمیٹی کے ممبران سنگت شہید کمبر چاکر اور سنگت شہید کامریڈ قیوم سمیت دیگر کئی کارکنان کو بھی اغواء کر کے غیر انسانی تشدد کے بعد انکی مسخ شدہ لاشیں پھینکی گئیں مگر پھر بھی بی ایس او آزاد اپنے کارکنوں کی شعوری جد و جہد اور قوم کی حمایت کے ساتھ اسی شدت سے قومی تحریک میں اپنا کردار ادا کرتی رہیگی ، ہزاروں شہدا کے ارمانوں کی وارث (بی ایس او آزاد) کے کارکن یہ عہد کرتے ہیں کہ مادرِ وطن کی آزادی کیلئے سیاسی و انقلابی طریقہ کار پر کاربند رہتے ہوئے آزادی کے کاروان کو منزل مقصود تک پہنچانے کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ پاکستانی قبضے سے لے کر آج تک بلوچ قومی زندگی ایک مکمل جنگی پس منظر کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آچکی ہے لیکن ان تمام ادوار میں کئی ایک وجوہات کی بناء پر قومی تحریکی عمل میں اونچ نیچ آتے رہے ہیں، لہذا سن 2000ء میں خطے اور عالمی سطح پر سیاسی حالات نے ایک نیا رخ اختیار کرلیا اور اس خطے میں عالمی طاقتوں کی یلغار کی وجہ سے قومی آزادی کی جنگ کو ایک نئے سرے سے منظّم کرنا ناگزیر ہوگیا۔ لہذا ڈاکٹر اللہ نذر اور اُس کے ساتھیوں نے تربت میں قومی کونسل سیشن سے نظریاتی

اختلافات کی بنیاد پر گروہی مفادات سے وابستگی رکھنے والے ٹولے سے علیحدہ ہوکر بی ایس او کو آزاد اور انقلابی شکل دی۔ قبضہ گیر کے اداروں کے خلاف اور آزادی پر مکمل یقین رکھتے ہوئے نہ کسی پارٹی کا بغل بچہ بنے اور نہ ہی مفاد پرست ٹولے کے ہاتھوں نوجوانوں کو استعمال ہونے دیا۔نوجوانوں کو اپنے نظریات سے متاثر کر کے حقیقی بنیادوں پر سیاست میں لے آئے۔2002 سے اب تک بی ایس او انہی بنیادوں پر سیاست کر رہی ہے۔ان قربانیوں کے بدولت 2006 میں فکری نوجوانوں کے دباؤ نے کرپٹ ٹولے کو مجبور کیا کہ وہ ڈاکٹر اللہ نذر کے فکری کاروان میں شامل ہو جائیں۔اس وقت بی ایس او متحدہ قومی آزادی کی سیاست پر ثابت قدم تھی۔ اس فکر نے دوسری تنظیموں کو انضمام کے لئے مجبور کیا۔مگر 2006 کی کامیاب قومی کونسل سیشن کے بعد گماشتہ پارٹیوں نے اس مقدس تنظیم کو پھر سے تقسیم کیا۔مگر بی ایس او آزاد فکری سیاست کی کو برقرار رکھتے ہوئے تاحال نوجوانوں کی فکری تربیت کرتے ہوئے قوم کی رہنمائی کا فریضہ ادا کر رہی ہے، آج جو ہم لوگ یہاں بیٹھے ہیں یہ دراصل ڈاکٹر اللہ نذر کی کاوشوں اور بے لوث قربانیوں کی وجہ سے ممکن ہوا ہے،ایک وقت تھا کہ نوجوان اپنی منزل کا تعین نہیں کر پا رہے تھے اور کئی ایک گماشتہ پارٹیوں کا ٹولہ بن کر اپنی قوت کو ضائع کر رہے تھے مگر ڈاکٹر اللہ نذر نے بلوچ نوجوانوں کو منزل کا شعور دیا اور حقیقی جد و جہد کی راہیں دکھائیں۔اس دورانیے میں بی ایس او کے سینکڑوں نوجوانوں کو پاکستان غائب کر کے شہید کر چکا ہے۔جن میں بی ایس او کے مرکزی جوائنٹ سیکرٹیری شفیع بلوچ، مرکزی کمیٹی ممبر کامریڈ قیوم اور کمبر چاکر سمیت صدام بلوچ، نور محمد بلوچ، نعیم بلوچ، یحیٰ بلوچ، ہارون بلوچ، فرید بلوچ، کلیم بلوچ، وحید بالاچ، سکندر بلوچ، جنید بلوچ، حنیف بلوچ، عرفات بلوچ، یاسر ناصر، الیاس نظر، شیر زمان کرد، ظہور بنگلزئی، شہید محراب، عابد سلیم، طارق کریم اور عاصم کریم سمیت 50 سے زائد کارکنوں کو شہید اور بی ایس او آزاد کے مرکزی وائس چیئرمین سنگت ذاکر مجید سمیت کئی کارکنان کی اغواء کیا گیا اور کئی کو اغوا کر کے انسانیت سوز تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد نیم مردہ حالت میں چھوڑ دیا گیا اغواء اور شہادتوں کے ان سخت حالات کے باوجود بی ایس او نے اپنے تنظیمی ساخت کو برقرار رکھا اور بی ایس او کے آئین کے مطابق اپنا قومی کونسل سیشن کامیابی سے منعقد کر کے تنظیم کی ذمہ داریاں نئی قیادت کے حوالے کر دیں۔

قومی کونسل سیشن کی کاروائی:

بی ایس او کا انیسواں قومی کونسل سیشن 7,8,9 جولائی کو منعقد ہوا۔انیسویں قومی کونسل سیشن کے افتتاح سے 2 دن قبل تمام زونوں کے کونسلران کی آمد شروع ہوئی اور 7 جولائی تک تمام کونسلران سیشن ہال میں موجود تھے جن میں مختلف زونوں سے تعلق رکھنے والے گرلز کونسلران بھی شامل تھیں۔7 جولائی کی شام 3 بج کر 25 منٹ پر تمام کونسلران کی موجودگی میں سیشن کا افتتاح ہوا۔سیشن کی باقاعدہ شروعات بلوچستان سمیت دنیا کے تمام شہیدوں کی یاد میں کھڑے ہوکر خاموشی سے کی گئی جس کے بعد قومی ترانہ پڑھا گیا۔قومی ترانے کے بعد سیشن کی کاروائی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

قومی کونسل سیشن مرکزی آرگنائزر کی صدارت میں شروع ہوا۔سیشن میں درجہ ذیل ایجنڈے زیر بحث رہے۔

☆مرکزی آرگنائزر کا ابتدائی خطاب

☆مرکزی سیکریٹری رپورٹ

☆آئین سازی

☆تنظیمی امور

☆عالمی وعلاقائی سیاسی صورتحال

☆تنقید

☆مرکزی آرگنائزر کا اختتامی خطاب

☆آئندہ لائحہ عمل اور الیکشن

مرکزی آرگنائزر بانک کریمہ بلوچ کا ابتدائی خطاب:

آرگنائزر نے اپنے ابتدائی خطاب میں تمام بلوچ شہداء سمیت بی ایس او کے کارکنوں کی بے لوث قربانیوں کو سلام پیش کرتے ہوئے کہا کہ آج ہمارے کئی فکری ہمسفر قومی آزادی کیلئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے امر ہو چکے ہیں اور ذاکر مجید سمیت ہمارے کئی ساتھی آج دشمن کی اذیت گاہوں میں جبر تشدد برداشت کررہے ہیں۔ہمیں اپنے ساتھیوں کی قربانیوں پر فخر ضرور ہے کہ جن کے لہو نے تحریک کو جلا بخشی مگر ہمیں انکے بچھڑنے کا دکھ بھی ہے کیونکہ اگر آج وہ قوم کے درمیان موجود ہوتے تو شاید وہ قوم کی بہتر رہنمائی کر سکتے تھے۔قومی تحریک میں قربانیوں وشہادتوں کی اپنی اہمیت ہے مگر ہمارا اصل مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ہم دشمن کی نظروں سے بچتے ہوئے وقت وحالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کم سے کم نقصان اٹھا کر قوم کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں۔آج شہید شفیع، شہید کامریڈ قیوم اور شہید کمبر چاکر سمیت ہمارے دیگر ساتھیوں کی فکر ہماری رہنمائی ضرور کررہی ہے مگر یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم کس طرح وقت و حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ان پُر آشوب حالات میں نقصان سے بچ کر انکی فکر کو آگے لیجانے میں اپنی توانائیاں صرف کرتے ہیں۔آج ہمیں عہد کرنا ہے کہ بی ایس او کا ساتھ دے کر شہداء کی فکر اور آزادی کے اس کاروان کو منزل تک پہنچانے میں بھرپور کردار ادا کریں گے۔

مرکزی سیکریٹری رپورٹ:

اس ایجنڈے میں مرکزی سکریٹری جنرل نے 21 نومبر 2008 تا 7 جولائی 2012 تک کی تفصیلی رپورٹ پیش کی اوراس دوران ہونے والی شہادتوں اور گرفتاریوں کو بھی اپنی رپورٹ میں پیش کیا۔

آئین سازی:

آئین پر 14 گھنٹے کی مفصل بحث مباحثہ ہوئی۔اس دوران آئین میں وقت حالات کی ضرورتوں کے مطابق کئی اہم ترامیم لائی گئیں۔آئین سازی دوسرے دن دوپہر تک جاری رہی۔

تنظیمی امور:

اس ایجنڈے میں اہم تنظیمی امور اور تنظیم کی گزشتہ حکمت عملیوں اور نئے وقت اور حالات کے تقاضوں پر بحث مباحثہ ہوا اور تنظیم کو زیادہ بہتر طریقے سے اور حالات کے مطابق چلانے کیلئے مختلف تجاویز دی گئی۔

عالمی وعلاقائی سیاسی صورتحال:

اس ایجنڈے پر تمام کونسلران نے تفصیلاً نظر ڈالی۔بلوچستان کے موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کونسلران نے کہا کہ رد انقلابی قوتیں قومی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لئے تمام حربے استعمال میں لا رہے ہیں۔بلوچ قومی تحریک آزادی کو دبانے کے لئے ایران اور پاکستان مشترکہ حکمت عملی ترتیب دے رہے ہیں تاکہ بلوچ جہد آزادی کو روک سکیں جن سے بلوچ قوم بخوبی واقف ہے۔کیونکہ آج ہر سیاسی ورکر حالات سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے۔دنیا کی استحصالی کمپنیاں قابض

قوتوں کے ساتھ مل کر بلوچ وسائل کی لوٹ مار میں شریک ہیں۔ کیونکہ بلوچستان کے گرم پانی جو کہ سالہا سال تجارت اور سفر کے لئے کھلے رہتے ہیں بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔سنٹرل ایشیاء میں ہونے والی تمام تبدیلیاں اسی سرزمین سے وابستگی رکھتی ہیں۔دنیا کے مہذب اقوام کو چاہیئے کہ وہ بلوچ قومی تحریک آزادی کی اہمیت سمجھ کر اس کی سیاسی اور سفارتی میدان میں مدد کریں۔ یہ خطہ جو کہ ہمیشہ سے دنیا کیلئے اہم رہا ہے اور آج کے گلوبل ولیج میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔افغانستان سے 2014 کے بعد امریکہ اور اُس اتحادیوں کے متوقع انخلا کے بعد جو صورت حال پیدا ہونے کی توقع ہے وہ امریکہ سمیت پوری دنیا کیلئے تشویش کا باعث ہے ۔امریکہ نے 1954 اور اُس کے بعد 1969 سے لے کر 1988 تک جس فوج کو کھلایا پلایا، فوج کے ساتھ ساتھ آئی ایس آئی کو جو معاشی مفادات پہنچائے ان کی وجہ سے آج وہ اس خطہ کی ایک مضبوط طاقت بن گئے ہیں۔حقانی نیٹ ورک، سپاہ صحابہ، لشکر طیبہ جیسی تنظیموں کی تشکیل کے بعد امریکہ کو تشوتش ہونا چاہے کہ یقیناً 2014 کے بعد پاکستان افغانستان میں اپنا اثر رسوخ بڑھا دیگا۔ پاکستان کی سرپرستی میں انتہا پسند تنظیموں کی تشکیل پوری دنیا کے امن کیلئے خطرے کا باعث ہے دوسری طرف اس خطہ میں بلوچ قوم اپنی جدوجہد کی بدولت دنیا میں اپنی حیثیت منوانے میں کامیاب ہوچکی ہے۔اب یہ دنیا پر منحصر ہے کہ وہ انتہا پسندی کو فروغ دینے کیلئے پاکستان کے پشت پنا ہی کرے یا خطے کو پرامن رکھنے کیلئے سیکولر بلوچ قوم کی حمایت کرے۔

تنقید:

اس ایجنڈے میں کونسلران نے تنظیم کی کمزوریوں اور عہدیداروں کی کارکردگی پر تنقید کی اور کمزوریوں کو دور کرنے کیلئے اہم تجاویز دیں۔

مرکزی آرگنائزر بانک کریمہ بلوچ کا اختتامی خطاب:

آرگنائزر نے اپنے اختتامی خطاب میں کہا کہ مجھے بی ایس او کے معزز ممبران کونسلران نے جو ذمہ داری سونپی تھی اس کو میں نے بھرپور طریقے سے نبھانے کی کوشش کی۔تنظیم کو جس ریاستی جبر کا سامنا ہے اسکا مقابلہ ہم اپنی کامیاب سیاسی حکمت عملیوں سے کررہے ہیں۔کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ انقلابی تحاریک میں مسلح جدوجہد ہی واحد ذریعہ ہے مگر تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کی تمام انقلابی تحاریک میں سیاسی جدوجہد کی اپنی اہمیت رہی ہے ۔دنیا کی ہر قوم مختلف صلاحیتوں کے حامل افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔انقلابی جدوجہد میں اگر کوئی بندوق بہتر طور پر چلاسکتا ہے تو کوئی سیاسی میدان میں بندوق چلانے سے بہتر خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔انقلاب مسلح اور سیاسی دونوں طریقوں کے جدوجہد سے تکمیل پاتی ہے۔ بلوچ قومی تحریک میں بھی سیاسی جدوجہد کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بی ایس او جیسی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا تھا جس نے ایک مضبوط ادارے کی حیثیت سے قومی تحریک کے بیشتر رہنماؤں کی فکری پرورش کی جنہوں نے سیاسی اور مسلح جدوجہد دونوں میں اہم کردار ادا کیا اور تاحال کررہے ہیں۔اسی لیئے ہمیں بی۔ایس۔او جیسے مادر تنظیم کو اور مضبوط بنانے کی ضرورت ہے کیونکہ اگر بی ایس او جیسا پیداواری ادارہ مضبوط ہوگا تو یہ قومی تحریک کی بھی مضبوطی کا سبب بنے گا۔ میں بی ایس او کے کامیاب کونسل سیشن کے انعقاد پر بی ایس او کے ممبران سمیت پوری بلوچ قوم کو مبارکباد پیش کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آنے والی قیادت بی ایس او کو مضبوط بنانے میں اپنا کردار ادا کرے گی۔

آئندہ لائحہ عمل:

آخری ایجنڈے میں سیشن کے دوران پیش کی گئی تمام تجاویز پر بحث کی گئی اور تمام کونسلران سے تجاویز لینے کے بعد ایک الیکشن کمیٹی تشکیل دی گئی جو کہ تین ارکان پر مشتمل تھی۔ کمیٹی نے ایک وقفے کے بعد مرکزی کمیٹی اور مرکزی کابینہ کیلئے امیدوار کونسلران میں فارم تقسیم کیئے۔ فارم وصول کرنے کے بعد امیدواروں کو مہلت دی گئی جس دوران تمام مقابلے کے عہدوں پر کونسلران دوسرے ساتھیوں کے حق میں دستبردار ہوگئے اور اس طرح مرکزی کابینہ سمیت مرکزی کمیٹی کے تمام ممبران بلا مقابلہ منتخب ہوگئے۔ سابقہ آرگنائزر نے نئے کابینہ اور مرکزی کمیٹی کے ناموں کا اعلان کیا۔ آخر میں الیکشن کمیٹی کے چیئرمین نے نومنتخب کابینہ و مرکزی کمیٹی کے ارکان کو مبارک باد پیش کی۔ اس طرح بی ایس او کا انیسواں قومی کونسل سیشن اختتام پزیر ہوا۔

10 جولائی صبح 11 بجے بی ایس او آزاد کی نومنتخب کابینہ و مرکزی کمیٹی سے الیکشن کمیٹی کے چیئرمین نے حلف لیا۔ حلف برداری کے دوران الیکشن کمیٹی کے چیئرمین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بی ایس او کے تاریخی فیصلوں کی بدولت بلوچ قومی سیاست میں اسکا ہمیشہ اہم کردار رہا ہے۔ بی ایس او اسی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مزید اس طرح کے انقلابی فیصلے کرتی رہیگی۔ آخر میں انہوں نے تمام نومنتخب کابینہ و مرکزی کمیٹی کو مبارکباد پیش کی اور کامیاب کونسل سیشن کے انعقاد پر کونسلران کو بھی مبارکباد دی۔ حلف برداری کے بعد نومنتخب کابینہ نے کونسلران سے خطاب کیا۔

نومنتخب مرکزی چیئرمین بی ایس او (آزاد) بلوچ خان:

میں سب سے پہلے تمام بلوچ شہداء کو سلام پیش کرتا ہوں اور اپنے ہمسفر چیئرمین ذاکر مجید سمیت تمام بلوچ اسیران کو بھی سلام پیش کرتا ہوں جو پاکستانی اذیت خانوں میں اذیت برداشت کررہے ہیں۔ انہی کی قربانیوں کی بدولت آج تحریک اس مقام تک پہنچ چکی ہے۔ بی ایس او اپنی قوم کی قربانیوں کے تناظر میں نوجوانوں سمیت پوری قوم کو بتانا چاہتی ہے کہ سیاست مذہب کی طرح حرف آخر نہیں ہوتی۔ کیونکہ مذہب کی کسی چیز میں تبدیلی و ترمیم نہیں ہوسکتی جبکہ سیاست میں اُتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ اور یہاں تبدیلی اور ترمیم بھی ہوسکتی ہے۔ ہمیں کامریڈ ماؤزے تنگ کے اس بات کہ سیاست میں چار قدم آگے جانے اور آٹھ قدم پیچھے جانے میں کوئی حرج نہیں، کو مدنظر رکھتے ہوئے حالات سے سبق لینی چاہیئے اور سیاست میں قومی آزادی کے لئے انقلابی طریقہ کار پر کاربند رہتے ہوئے تمام سیاسی طریقوں کو استعمال میں لانا چاہیئے۔ قوم اور قومی بقاء کے لئے اس جہد مسلسل میں ہمیں اپنے انقلابی تعلیم پر توجہ دیتے ہوئے وقت و حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے آزادی کے پودے کی اپنے خون سے آبیاری کرکے اسے تناور درخت بنانے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرنی چاہیئے۔

مرکزی سینئر وائس چیئرپرسن بانک کریمہ بلوچ:

آج مجھے فخر ہے کہ میرے ممبران نے مجھے ایک ایس ذمہ داری سونپی جو اس سے پہلے ذاکر مجید جیسا کمیٹڈ اور مخلص انقلابی رہنما نبھا چکا ہے۔ آج کٹھن حالات نے کھرے اور کوٹے میں فرق واضح کرکے پوری قوم کے سامنے ہر ایک کے کردار کو عیاں کر دیا ہے۔ بی ایس او کی جدوجہد کے سفر میں کچھ لوگ حالات کی رو میں بہہ کر ساتھ چھوڑ گئے، کچھ لوگ دشمن کی کرسی اور نوٹوں کی چمک سے متاثر ہوکر اسکے ہاتھوں بک گئے اور کچھ لوگوں

نے بی ایس او کو اپنی نوکری اور نام کی مشہوری کیلئے استعمال مگر آج جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ کمیٹڈ اور قومی جدوجہد سے سچی وابستگی رکھنے والے انقلابی کارکن ہیں۔ انہی گنے چھنے افراد کی قربانیوں کی بدولت دشمن اور مخالفین کی ہزاروں ریشہ دوانیوں کے باوجود بھی بی ایس او آج بھی مضبوط ہے اور قومی تحریک میں اپنا کردار احسن طریقے سے نبھا رہی ہے۔

مرکزی جونیئر وائس چیئرمین:

میں اپنے کاروان کے ان عظیم ساتھیوں شہید چیئرمین سہراب بلوچ، ایم کریم بلوچ، کمبر چاکر، کامریڈ قیوم اور شفیع بلوچ سمیت تمام شہداء کو سلام کرتا ہوں۔ اور چیئرمین ذاکر مجید بلوچ سمیع بلوچ اور دیگر نوجوانوں کو بھی سلام کرتا ہوں کہ وہ قومی آزادی کی خاطر سب کچھ برداشت کر رہے ہیں۔ میں اس حلف برداری کے جلسے میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ کیونکہ آپ لوگوں نے جو ذمہ داری مجھے سونپی ہے۔ وہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ جب میں اس پر دوسرے کونسل سیشن تک ثابت قدم رہوں تو آپ لوگوں کی شکر گزار رہونگا۔ قومی آزادی کی جدوجہد میں ہمیں خود باکردار ہو کر اپنے کردار کے ذریعے اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ باکردار انسان سماج میں اہمیت رکھتے ہیں۔ غلامی کے خلاف جدوجہد میں ہماری تنظیم کا کردار بہت اہم ہے۔ اور اس کامیاب کونسل سیشن نے ہمارے نوجوانوں کو مزید حوصلہ دیا ہے۔

مرکزی سیکریٹری جنرل شئے مرید بلوچ:

میں بلوچ شہداء سمیت دنیا کے تمام شہیدوں کو سلام پیش کرتا ہوں۔ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے جناب بی ایس او آزاد کے نومنتخب مرکزی چیئرمین، مرکزی سینئر وائس چیئر پرسن، اور بی ایس او کے نوجوانو۔! تاریخ عظیم لوگوں کو کبھی نہیں بھولتی۔ پانچ سو سال پہلے حمل جیئند کی شہادت اور لوگوں کا ان کو آج تک یاد کرنا، یہ تاریخ کی اہمیت ہے۔ اور ہمیں اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ اس دنیا سے کروڑوں انسان اب تک جا چکے ہیں مگر ان کوئی یاد نہیں کرتا۔ دینا صرف ان لوگوں کو یاد کرتی ہے جنہوں نے دنیا کی تاریخ میں اہم کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ جب میں پہلے مرکزی کمیٹی کا رکن تھا تو میں پریشان رہتا تھا کہ ان تمام ساتھیوں سمیت قوم کے توقعات پر کیسے اتر سکتا ہوں۔ مگر اس عہدے کے لئے جب آپ لوگوں نے مجھے منتخب کیا ہے، میں کوشش کرونگا کہ ثابت قدم رہ کر اپنا کردار ادا کرتا رہوں اور تنظیم کے تمام کاموں کو بہتر طریقے سے سرانجام دوں۔

مرکزی سینئر جوائنٹ سیکریٹری:

میں بلوچ سرزمین کے شہیدوں کو سلام پیش کرتا ہوں۔ اس کامیاب کونسل سیشن نے ثابت کر دیا کہ انقلابی اداروں کے سامنے کوئی بھی طاقت رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس کی واضح مثال ہمارا کامیاب کونسل سیشن ہے۔

مرکزی جونیئر جوائنٹ سیکریٹری:

میں بلوچ شہداء و اسیران کو سلام کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی جانیں قربان کر کے ہمیں ایک راہ دکھائی کہ انقلاب قربانی کا تقاضہ کرتی ہے۔ قومی آزادی کی راہ میں وقت و حالات کا انتظار کیئے بغیر انقلابی جذبے سے لیس ہو کر جدوجہد کو آگے لے جانا ہی انقلابی عمل ہے۔

مرکزی انفارمیشن سیکریٹری:

مرکزی انفارمیشن سکرٹری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وقت نے ہمیں انقلابی اصولوں کو اپنانے کا درس دیا ہے۔ ہمیں اپنی تحریک کو جدید سائنسی خطوط پر استوار کر کے انقلابی عمل کو آگے لے جانا ہوگا۔

پاکستانی عدلیہ اور حقائق

ڈاکٹر منان بلوچ

آج مجھ سمیت ہر کوئی انتہائی فخر سے کہہ سکتا ہے کہ بلوچ قومی جد وجہد آزادی نے ہمیں قومی شعور دی ہے جس کی بدولت ہم اپنی دوست و دشمن میں پہچان کر سکتے ہیں لیکن کئی باتیں سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ ہنوز بہت کچھ باقی ہے مثلاً دشمن کے اداروں سے یہ امید رکھنا کہ وہ ہماری دادرسی کریں گے یا دشمن اپنی جابرانہ پالیسوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنی اداروں کو الگ الگ کر کے کچھ کو مورود الزام ٹھراتی ہے FC ایک ریاستی ادارہ ہے جو اوپر کے احکامات بجالانے کا پابند ہے۔ بلوچ تحریک آزادی کے خلاف ایف سی جیسے ادارے کو لا کھڑا کیا گیا ہے۔ میڈیا سمیت پاکستان کے تمام دانشور اسی ادارے پر اپنا غصہ اتار کر بظاہر بلوچ قوم کے ساتھ ہمدردی جتانے یا اپنے لیئے نرم گوشہ پیدا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور شاید لاشعوری طور پر ہم بعض اوقات ان پروپیگنڈوں کا شکار بن بھی جاتے ہیں اور ریاست کی مجموعی قبضہ گیر پالیسوں کی ذمہ داروں کو تقسیم کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ 2006 میں خضدار میں پولیس نے ہسپتال میں ڈاکٹروں پر حملہ کر دیا تھا۔ اور ڈاکٹروں نے ایک اجلاس بلایا تھا جہاں ایک قرارداد پیش کی گئی جس میں پولیس کے اس عمل کو ریاستی دہشت گردی سے تعبیر کیا گیا۔ مگر ڈی ایچ او ڈاکٹر مختار زہری نے اس کی مخالفت کر دی کیونکہ وہ پاکستان کے لئے ہمدردی رکھتا تھا اور ایک وفادار پاکستانی تھا جسے اس لفظ کی حساسیت کا علم تھا۔ کافی بحث و مباحثہ کے بعد ریاستی دہشتگردی کے بجائے پولیس کی دہشت گردی لکھا گیا۔ یعنی ایک ادارے کو مجرم ٹھرانا آسان ہے لیکن پوری ریاستی مشینری کو اس صف میں کھڑا کرنا دشمن کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ اگر ایک ادارے کو مجرم ٹھرایا جائے تو انقلابی وقومی مقصد فوت ہو جاتا ہے مگر پوری ریاست کے خلاف موقف آپ کی مقصد کو تقویت بخشتی ہے اور دشمن کے لئے اپنے دامن کو بچانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ میڈیا کے حوالے سے بعض اوقات ایسے ہی جذبات سامنے آجاتے ہیں کہ میڈیا ہمارے مسئلے پر توجہ نہیں دے رہا۔ میڈیا سے اپنی مقصد کے لئے کسی اہم پروگرام کی توقع رکھنا اصل مقصد سے توجہ ہٹاتی ہے۔ کیونکہ میڈیا ایک ایسا ستون ہے کہ جس کے سہارے ریاستی بنیاد بنتی یا ٹوٹتی ہے۔ پاکستانی میڈیا کی حقیقت کو دنیا ٹی وی پروگرام میں ملک ریاض کے حوالے سے پروگرام نے واضح کر دی کہ یہاں میڈیا کے پروگرام کس طرح ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک نظر عدلیہ پر ڈالتے ہیں جس سے لوگوں نے کئی امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں اور کئی بلوچ آزادی پسند بھی چودھری افتخار کو اپنا ہمدرد سمجھ بیٹھے ہیں۔ مقنّنہ، فوج، عدلیہ اور میڈیا ریاست کے بنیادی اور انتہائی موثر

اگر ایک ادارے کو مجرم ٹھرایا جائے تو انقلابی وقومی مقصد فوت ہو جاتا ہے مگر پوری ریاست کے خلاف موقف آپ کی مقصد کو تقویت بخشتی ہے۔

ادارے ہیں۔جن سے ریاست کی تنظیم بنیاد بناتی ہے۔پھر کیسے وہ ایک ایسے قوت کی طرف داری کریں گے جس کی جدوجہد ہی اسی ریاست کی قبضہ گیریت واستبداد کے خلاف ہو۔ہاں البتہ پاکستان میں تمام مذکورہ ادارے ایک دوسرے سے الجھے ہوئے نظر آرہے ہیں۔سپریم کورٹ ایک وزیراعظم کو فارغ کرتا ہے۔صدر چیف جسٹس کے بیٹے کو کٹہرے میں کھڑا کرتا ہے۔وزیراعظم باقاعدہ فوج کو ایک الگ ریاست کہتا ہے۔ان سب کے پیچھے کچھ فروعی مفادات ہیں۔کیونکہ پاکستان ایک ایسی ریاست ہے جس کا وجود ہی غیر فطری ہے۔جس ریاست کا وجود ہی کسی اور طاقت کے خواہشات اور مفادات کے تابع ہو وہاں اس قسم کی محاذ آرائیاں بھی اسی طاقت کے تابع ہی جنم لیتی ہیں اور ان فرضی محاذ آرائیوں کو بنیاد بنا کر دشمن کے کسی ایک ادارے کو اپنا ہمدرد سمجھنا ایک بہت بڑی غلطی ہے۔آج پاکستان کے وجود کو خطرہ ہے۔پاکستان نے اپنی عسکری طاقت کے بل بوتے پر 1948 سے لیکر تا حال بلوچ تحریک آزادی کو دبانے کی جتنی کوششیں کی ہیں، بلوچ فرزندوں نے قربانیاں دے کر اپنی سرزمیں کی بقاء کو سنبھالا دیا ہے اور پاکستان کی تمام مذکورہ اداروں کو تہہ و بالا کر دیا ہے۔اس کے دیکھا دیکھی دوسرے ادارے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔سپریم کورٹ اگر آئی ایس آئی، چیف آف آرمی سٹاف، آئی جی ایف سی یا پولیس کے خلاف ایک آدھ جملہ نکالتا ہے یا کٹہرے میں لا کھڑا کرنے کی دھمکی دیتا ہے تو اس کے پیچھے اپنے ریاستی وجود کو برقرار رکھنا اور ہمدردی جتانا مقصود ہے۔ظاہر ہے ان الفاظ نے ہمیں بھی کسی حد تک پُر امید بنا دیا ہے اور بلوچ فرزندوں کی بازیابی کی ایک بازگشت سنائی دینی لگی ہے۔ہمیں چاہیئے کہ ہم دشمن کو جمعی طور پر دیکھیں اور اس کے غیر عسکری حربوں کو سمجھیں تا کہ ہمیں دشمن کے خلاف حکمت عملی ترتیب دینے میں آسانی ہو۔سپریم کورٹ کی بلوچ فرزندوں کے بابت سماعت کے دوران ایک جھلک آپ کو دکھاتے ہیں۔اسی دوران بدل بنگلزئی، وحید بلوچ، نوروز بگٹی، سلمان بلوچ، رحیم داد نیچاری، مزار خان مری، محمد خان مری اور بی این ایم کے مرکزی فنانس سیکریٹری کماش رزاق گل کی مسخ شدہ لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔جبکہ آدم بلوچ، اسلم بلوچ، علی بلوچ، نذیر بلوچ، فریدز ہری کو ٹارگٹ کیا گیا۔مزار خان مری اور بلوچ بزرگ فرزند منشی محمد بخش اغواء کر کے غائب کر دیئے گئے۔آواران میں بلوچ خواتین پر حملہ کیا گیا۔بارکھان میں موجود مری و بگٹی بلوچوں پر آپریشن ہوا۔بلوچ قومی رہنماء ڈاکٹر اللہ نذر بلوچ کے فرزندوں نودان و تموچن بلوچ کو قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔کیا سپریم کورٹ ان سب سے بے خبر ہے یا جان بوجھ کر آنکھیں موندہ لی ہیں اور صرف خانہ پوری کیا جارہا ہے تا کہ بین الاقوامی دباؤ کو کم کیا جاسکے۔

لوگ منزل کو مشکل سمجھتے ہیں اور ہم مشکل کو منزل سمجھتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ پارلیمنت پرست بلوچ وطن کا خون چوستے ہیں اور سرمچار وطن کو خون دیتے ہیں۔ ☆☆ ڈاکٹر اللہ نذر بلوچ ☆☆

شعور سے شعور تک

منظور عزت بلوچ

بلوچستان کی موجودہ صورتحال کو سامنے رکھ کر بلوچ قوم پر گزرنے والی اس آزمائش وامتحان کے لمحات میں ان کرداروں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جو اس مشکل وقت وحالت میں اپنے جان ومال ،گھروں ،پیاروں، رشتہ داروں کی قربانیوں کے ساتھ میدان عمل میں خود سے کئی گنا بڑے دشمن کے مقابلے میں بھوک، پیاس، غربت کی حالت میں قومی صفوں کے اندر موجود رہتے ہوئے پتھریلی زمین پر خون کو جما دینے والی سرد موسموں اور جھلسا دینے والی گرم موسموں میں نہ صرف اپنے قوم پر لگنے والی ہر زخم کو سود سمیت واپس کر رہے ہیں بلکہ اپنے خون سے دشمن کی اذیت گاہوں میں سالوں تک انسانیت تو درکنار حیوانیت سوز جسمانی اور ذہنی اذیتوں کو خندہ پیشانی سے سہتے ہوئے اپنے قیمتی جانوں کے نذرانے بھی ماں کے قدموں میں نچھاور کر رہے ہیں۔ان کے علاوہ اسی صورت حال کے اندر وہ بھی کردار ہیں جو اپنے وطن اور اپنے لوگوں سے ہزاروں میل کے فاصلوں سے بھی اس مشکل گھڑی اور قومی امتحان کی ہر درد کو یوں سہہ رہے ہیں جسے کسی اعضاء کی درد کو پورا جسم سہتا ہے،اور یہ بھی کردار ہیں جن کی ساخت ناخن کی مانند ہے، چھوڑو تو رزق حرام ہو جاتی ہے رکھو تو شریعت میں حرام، جو جسم کا حصہ بھی ہیں اور نہیں بھی، وہ اس لئے کہ جسم کے کسی بھی حقیقی حصے کو کاٹو تو درد ہوتا ہے لیکن ناخن جسم کا وہ حصہ ہے جس کے کاٹنے سے نا ناخن کو درد ہوتا ہے اور نا جسم کو، یوں ہی غور کیا جائے تو کسی جسم کے

ساتھ ایسے بہت سے اعضاء جڑے ہوئے ہوتے ہیں جو جسم کا حصہ ہونے کے باوجود ماہرین طب کے مطابق جسم کے لئے مضر صحت ہوتے ہیں، اور شاید جدید ترقی یافتہ قوموں میں اب یہ ایک سائنسی کلچر بن گیا ہے کہ پیدائش ہی کے ابتدائی چند دنوں کے بعد یہ سنت ادا کر دی جاتی ہے ایک تو اس سے سنت ابراھیمی بھی ادا ہوتا دوسرا جتنی جلدی ان حصوں کو جسم سے الگ کیا جاتا ہے درد کا احساس اور زخم بھرنے کے امکانات اتنے ہی زیادہ روشن اور قوی ہوتے ہیں۔

جسم مختلف اعضاء کے مجموعہ کا نام ہے اور اعضاء بافتوں کے مجموعے کا، اسی طرح بافتیں خلیوں کے اور ہر خلیہ اپنے اندر ایک الگ کائنات بھی ہوتا ہے، اور ایک الگ مرکز کے زیر اثر بھی ،لیکن مجموعی طور ایسے کروڑں خلیوں کے مراکز ایک اعلیٰ ترین مرکز کے کنٹرول اور کمانڈ میں ہوتے ہیں، ایک مکمل جسم وہ ہوتا ہے جسکی پانچ حسی اعضاء اپنی اصل اور فطری صورت میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے اعتبار سے اپنے اپنے مورچوں میں مستعد چاک وچوبند صورت میں عمر بھر حالت جنگ میں رہیں، یعنی دو عدد آنکھیں، وہ بھی اس حالت میں کہ ان کی ریکارڈنگ کی بٹن دن بھر ''آن'' ہو اور اگر پھر وہ اعلیٰ ترین مرکز کی جانب سے ''دن کو کھینچ لیا جاتا ہے اور ہر طرف اندھیرا چھا جاتا ہے اور ویڈیو ریکارڈنگ روشنی کے بغیر ممکن نہیں رہتا تو پھر ایک خودکار نظام کے تحت اس جسم کے ''آڈیو ریکارڈنگ سسٹم کو ''آن ہونا چاہے، تاکہ ''اسٹینڈ بائی'' کی صورت میں جب جسم رات کو آرام کر رہا ہوتا ہے وہ ہلکی سے ہلکی آواز کے سننے کے ساتھ ہی پورے جسم میں ''الارمنگ'' صورت حال پیدا

کرے اور سکینڈ کے ہزاروں حصے کے اندر اندر جسم اپنی مدافعتی یا دفاعی پوزشن اختیار کرلیں، یا سونے کی حالت میں اگر کوئی پکارے تو ایک ''آٹو میٹک سسٹم'' کے تحت جسم کا وہ حصہ جو آواز کو پہچاننے اور اس پر ردعمل ظاہر کرنے پر مامور کیا گیا ہے فوری طور پر اپنا ردعمل ظاہر کردے، ورنہ دیر ہونے کی حالت میں پکارنے والے جسم میں فطری طور پر ایک ''الارمنگ'' صورت حال ایک ایسے تشویش کیلئے پیدا ہوگی جو ردعمل نہ کرنے اور جواب نہ دینے والے جسم کی خرابی یا سسٹم کے فیل ہونے، یا ٹرپ کر جانے کی لہروں سے لیس ہوگی، اس لئے دو عدد معقول سائز کے کان کسی بھی سازگار جسم کیلئے لازمی ہیں، اس کے ساتھ ایک عدد ناک بمع دو سوراخوں کے، ہرن کی طرح شکاری کی جسم کی بو کو ہواؤں کے ذریعے معلوم کرنے اور سونگھنے کیلئے بھی لازمی ہیں ایک منہ جسکے اندر کاٹنے والی دانت اگرچہ نہ ہوں لیکن غلامی کے کڑوے ذائقہ کے ساتھ ساتھ آزادی کی مٹھاس کو چکھنے والی لاکھوں ''ٹیسٹ بڈز'' سے لیس ایک گائے جیسی زبان بھی ہو، جسے بوقت ضرورت ناک کے کبھی اس سوراخ اور کبھی دوسرے کو صاف کرنے کیلئے گائے کی طرح کام میں لیا جاسکے ، ہونا اشد لازمی ہے اس کے علاوہ محسوس کرنے کیلئے ایک صاف و شفاف نرم و ملائم کھال ہو جس کے اندر پوری جسم کی جلد بندی کی گئی ہو، جس پر تپتی دھوپ اور شیشے کی سائبان اور جھلسا دینے والی گرم ہواؤں نے کبھی بھی اپنے اثرات مرتب نا کیئے ہوں، جسم کے ان ظاہری عضویات کے علاوہ جسم کا ایک اندرونی اور آنکھوں سے پوشیدہ حصہ بھی ہے، مثلاً ایک ''دل و دماغ'' اور وہ جو ''ہر عیب سے پاک ہوں'' اور ایک عمرو ''عیار کی ''زمبیل'' جیسا بڑا ''معدہ'' ایک تیز رفتار نظام انہضام کے ساتھ۔ تاکہ قومی دولت کو کھائے تو دیمک کی طرح اور ڈکارنے کی باری آئے تو بھی منہ ادھر کرکے۔

اب اسی جسم کی تصور کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں آپ کو بلوچ قومی تحریک آزادی پر غور کرنے کی دعوت عام دے رہا ہوں، کہ تحریک روح ہے اور قوم اس کی جسم اور ہر فرد اس جسم کا ایک اعضاء تب سوچئے کہ بطور ایک بلوچ آپ اس جسم کے کیا ہو، آنکھ ہو، کان ہو، زبان ہو، یا محسوس کرنے والا جلد ہو، دل ہو یا دماغ ہو، اگر آنکھ ہے تو اندھا ہے، کان ہے تو بہرا ہے، زبان ہے تو گونگا ہے، یا یہ کہ ایک مدہوش اور سن جلد ہو جس پر نہ گرمی نہ سردی، نہ درد نہ سکون کسی بھی چیز کا احساس نہیں ہوتا ہے، یا پھر ''سرجری'' کردہ دل ہو، یا پھر ایک خرد ماغ، تو کیا اس صورت میں کسی بھی اعضاء کا علاج ضروری نہیں۔۔؟

اس لئے اب اس بات کو ایک اور وسیع تر دائرے میں سوچنے کا آغاز کیا جائے کیونکہ تخلیقی عمل میں یہی اصول کارفرما دکھائی دیتا ہے وہ اعلیٰ ترین مرکز وہ نیوکلیس اپنے 'خالق ہونے کے اظہار میں ایک محدود دائرے سے ایک لامحدود دائرے کی جانب تجری رہتا ہے، کیونکہ اٹل اور فطری ہونے کی سب سے بنیادی شرط یہی ہے کہ وضع کردہ اصول، قانون خالق اور مخلوق، تخلیق کار اور تخلیق دونوں کیلئے یکساں ہوں، رات ہے تو دن کا ہونا لازمی ہے، اسی طرح دوئی یعنی نشوونما کی چکر قائم رہتی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ ''پاک ہے وہ ذات جس نے بنائے جوڑے ہر قسم کے اس میں سے جو بھی اگاتی ہے زمین، اور خود ان کی اپنی جنس میں سے بھی اور ان چیزوں کے بھی جن کی ان کو علم بھی نہیں۔'' اس لئے ایک قومی تخلیقی عمل کیلئے ہمیں اپنے تناظرات کو محدودیت کی قید سے آزاد کرنے ہونگے۔

بلوچ قوم اس وقت حالت جنگ میں ہے اس جنگ کی عمر جتنی لمبی ہوگی

ان کی ساخت اور ہیئت میں تبدیلی کے امکانات اتنے زیادہ روشن ہونگی ،جیسا کہ آپ اکثر کہا کرتے ہیں کہ رات جتنی کالی ہوگی اس کی صبح اسی قدر روشن اور چمک دار، بہت دیر تک گھنے بادلوں میں چھپ جانے والی چاند اور چھپا ہوا سورج دونوں کی نئی ساختی اور ہیتی تبدیلی اور بدل جانے کے امکان ان کی پہلے سے زیادہ روشنائی اور چمک میں اضافہ کی صورت میں، یا ظلم کی اپنے تمام حدود پار کرنے اور پھر ختم ہونے کی اس شاعری میں بھی کہ ''ظلم تو ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے'' کے اس مصرعہ میں ظلم کی عمر بڑھنے اور تبدیلی کی صورت اس کی ''فنا ہونے کی تصدیق ہے، یا پھر یہ اٹل آیات کہ ''اور جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں ،الٹ دیتے ہیں ان کی ساخت کو، کیا ان کو عقل نہیں آتی۔'' یعنی لمبی عمر پانے والے کسی انسان کی مثال سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک بچہ ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ جوان اور پھر بوڑھا ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ کہ انسان کی صورت میں لمبی عمر تین منازل طے کر کے تین ساخت تبدیل کر لیتا ہے، اور ہر ساخت دوسرے ساخت کی الٹ یا ضد ہوتی ہے، بچپن کا الٹ یا اس کی ضد جوانی ہے اور جوانی کی الٹ یا ضد بڑھاپا اسی طرح کسی بھی مظہر پر غور کیا جائے تو ہمیں لمبی عمر کے اس مسافت میں ساخت کے اعتبار سے جدلیاتی تبدیلی کے وسیع تر پیرائے میسر آئیں گے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ ''اور چاند، مقرر کردی ہیں ان کے لئے منزلیں یہاں تک کہ وہ ان سے گزرتا ہوا ہوجاتا ہے پھر کھجور کی پرانی شاخ کی طرح''۔ اسی طرح ہر شے میں یہ عمل ایک اٹل قانون کی طرح جاری ہے، بلوچ قومی جنگ پر بھی یہی فطری قانون کا اطلاق ہے، اسکی بھی منزلیں ہیں اور یہ اپنے طے شدہ منزلوں سے گزرتا ہوا اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہا ہے، اس جنگ کی عمر جتنی بڑھ جائے گی وہ اتنے ہی اپنے منزل کی قریب تر ہوتا جائے گا۔ اور ایمان بالغیب کی ایک ستون بھی یہی ہے، کہ ایک غیبی قوت کے زیر اثر ہر آغاز کا ایک انجام لازمی ہے، ہر چیز کیلئے، اور پھر یہ زمین اس ستون کی سب سے بڑی مثال ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ ''اور نشانی ہے ان کیلئے مردہ زمین، زندہ کرتے ہیں ہم اسے اور نکالتے ہیں ہم اس میں سے ''غلہ''، پھر اس سے یہ کھاتے ہیں۔ اور پیدا کئے ہم نے اسمیں (زمین) سے باغ کھجوروں اور انگوروں کے اور پھاڑ نکالے ہم نے اس میں (زمین) سے چشمے، تاکہ کھائیں یہ ان کا پھل حالانکہ نہیں ہے یہ بنایا ہوا ان کے ہاتھوں کا، کیا پھر بھی یہ شکر ادا نہیں کریں گے۔۔۔؟ مگر اتنی صاف اور واضح آیات اور نشانی کے باوجود آغاز پرست انجام فراموش لوگوں نے حقیقت سے ہمیشہ انکار کا رویہ اپنایا کہ ہم کمزور ہیں، ہم آپس میں متحد نہیں، ہمارے پاس وسائل نہیں، اس لئے ''آزادی'' مشکل ہے۔ آخرت اور آنے والا کل پر ان کی یقین شک کے گرد سے آلود ہے، ان کے دل اس چٹان سے بھی زیادہ سخت ہیں جس پر گرد جمع ہے لیکن بارش کی ایک ہلکی سی پھوار ان کو دھو کر یوں صاف کر دیتا ہے کہ وہ دھوپ میں چمک اٹھتے ہیں۔ لیکن ان بتوں کے جسموں پر بت پرست عقیدت مندوں نے اپنے من کے مرادوں کیلئے لالچ کی درخت سے پیدا ہونے والی ''تیل مراعات'' سے مالش کی ہے کہ زمین سے اٹھنے والی گرد آلود ہواؤں نے چپک کر ان کے جسموں پر ایک موم کی تہہ جمالی ہے اس لئے موم میں بند ان فرعونوں کیلئے نشانی، وصیت، نصیحت اور ہدایت کا کوئی اثر نہیں ہوتا، وہ یہ بات سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ''کل'' کا جوڑا ''آج'' ہے اور آج کا جوڑا کل، ۔ایک درخت کو جا کر غور سے دیکھئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ خود اس درخت کے سائے میں زرد اور بوسیدہ خشک پتوں کی ایک ماضی جمع ہے، جو کبھی سرسبز و شاداب تھے پورے درخت کی وجود کو اسی نسل نے ڈھانپ رکھا تھا، لیکن اب ان کی جگہ ایک نئی اور تازہ دم پتوں نے لے رکھا ہے، بلوچ قومی جنگ پر بھی یہی قانون لاگو اس جنگ کو لڑنے والے کردار کل اور تھے، اور آج اور ہیں اور آنے والے کل میں اور ہونگے ساختیاتی تبدیلی کے اس عمل اور اس عمل کیلئے کرداروں کی چناؤ، کرنے

والی اس اٹل قانون پر اس بات کا کوئی اثر نہیں ہوگا کہ اس کے خلاف کون لڑ رہا ہے اور کون اس کے حق میں، فرق اور اثر پڑنے والی کرداروں کی عظمت یہ ہے کہ تم شعور کی کن بنیادوں پر سچائی کو سچائی کے ساتھ سمجھ کر سمجھا رہے ہو، کیونکہ اپنے اپنے دائروں میں قید ہر متنفس کے ہاں حقیقت وہی ہے جس پر وہ خود قائم ہے، لیکن فطری سچائی یہ ہے کہ تم نہ صرف اندھوں کی طرح ''سچائی'' کو سچائی سمجھ کر قبول کر دو بلکہ تمہیں عقلی طور پر بھی سچائی کو عملی شکل میں ثابت کرنا ہوگا خود اپنی ذات کیلئے اپنی ذات سے پرے۔ اور وہ عملی سچائی ایک سچی گواہی بن جائے کہ غیب بھی دراصل وہی ہے جو ظاہر ہے۔ اب اگر کوئی دو آنکھوں کے ہوتے ہوئے اور اس کائنات کی ہر شے کے اندر ہر ایک سیکنڈ ایک نئی انقلاب اور تبدیلی کو دیکھتے ہوئے، پھر بھی کوئی یہ کہہ دے کہ مرنے کے بعد کون زندہ ہوگا، یا یہ کہ ''ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت کیا ہے لیکن۔۔! دل کے خوش رکھنے کو خیال یہ اچھا ہے،'' تو کہہ دیجئے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو شاعری نہیں سکھائی ہے، اور نا ہی یہ ان کے شایان شان ہے۔ ان کے ذمہ داری تو بس یہ ہے کہ وہ حق کو اپنے جان دی کر بھی ظاہر کر دیں، تا کہ حق کو پوشیدہ رکھنے والے ان ظالموں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور حق کیلئے گواہی دینے والے لوگ وہی ہیں جو شہید ہیں اور اللہ کی راہ میں لڑنے والے وہی ہیں جو حق پر ہیں، اور اب حق پر کون ہے یہ تو ہم نے کہہ سکتے ہمیں تو بس اتنا یقین ہے کہ ہر عمل ایک ردعمل کے زیر اثر ہوتا ہے اور یہ کہ ہر آغاز کا ایک انجام لازمی ہوتا ہے۔ کردار کسی بھی واقعہ کے رونما ہونے کے اظہار کے ذریعہ اور زبان ہوتے ہیں، کسی کافر کو خداوند کریم کی اس آیات پر شاید ہی تعجب ہو کہ قیامت کے دن ہمارے ہاتھ اور پاؤں کیسے ہمارے اعمال کی گواہی دینگے لیکن مسلمان یہ بات سائنسی طور پر جانتے ہیں کہ اس میں حیرانگی یا تعجب کا اظہار سب سے بڑی تعجب ہوگی کیونکہ ہمارے ہاتھ آج بھی ہمارے ہر عمل کی گواہی دے رہے ہیں ہاتھوں کی ہر ہنر ہاتھ کی زبان اور اظہار کا ذریعہ ہے، اور پاؤں کے ہر نقش پاء ہر پد گیر و پد بین کیلئے ایک کھلی کتاب ہے، فاصلے سمٹ رہے ہیں، جگہ تبدیل ہو رہی ہوں منزل رفتہ رفتہ قریب سے قریب تر ہو رہی ہو تو یقین کیجئے کہ یہ کسی بھی چار پائے اور دو پائے کے پاؤں کی گواہی اور ان کی زبان کی اظہار ہے، وہم و گمان، تصورات، خیالات، نظریات، حالات، واقعات، بدل رہے ہوں، یا تقدیر بن رہے یا پھر زنجیر کٹ رہے ہوں، تو باور کیجئے کہ ہاتھ اپنے عمل کی گواہی دی رہے ہیں اپنی اظہار کر رہے ہیں، اور اسی طرح ہر موسم ہر ساعت، ہر گھڑی بھی اپنا اظہار کسی نہ کسی صورت میں کر رہا ہے، جیسا کہ آج کی یہ بلوچ قومی صورت حال جو اپنی اظہار کر رہا ہے، کوئی جان بچا کر بھاگ رہا ہو، کوئی کٹ کر مر رہا ہو، کوئی دو سال بھوکا پیاسا اذیت گاہوں میں سوکھ کر کانٹا ہو رہا ہو، کوئی مانند گلاب کھل کر پھول گیا ہو، کوئی، خشک، ویران، بے آب و گیاب کہساروں میں سوچ رہا ہو کہ کیسے حق پر جانثار کیا جائے، کوئی شاداب آنگنوں میں مخمل کے بستروں پہ لیٹ کر سوچ رہا ہو کہ کیسے باطل کا ساتھ دیا جائے۔ یہ سب موجودہ وقت کے اظہار کے مختلف طریقے اور گواہی ہیں، ہر کردار ایک زبان ہے اور ہر زبان ایک اظہار اور ایک گواہی۔ اور ہر جسم کی ایک زبان ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ ہر پل ''ہو رہا ہے'' کے نوید کا اظہار کر رہا ہے، کسی بھی درخت کے پتے خود اس درخت کی نہیں بلکہ اس درخت پر کسی موسم کی زبان ہے جو ہر پل اپنی اظہار کر رہی ہے اور پھول کسی پھل کے آمد کی نوید ہے، جسم میں ایک عمر قید ہے، جو نیست سے ہست، اور ہست سے نیست کی جانب گامزن ہے، اور اس عمر کے ساتھ انقلاب در انقلاب کی ایک خارجی اور داخلی، سلسلہ رنگ، بو، ذائقہ، کے اعتبار سے اپنے متعین منزلوں سے گزر کر ساختیاتی اعتبار سے وہ نہیں رہتا جو وہ تھا۔ کردار تبدیل ہو جاتے ہیں، صورتحال، منظر نامہ تبدیل ہو گیا ہے، ماحول اور فضاء میں تبدیلی واقع ہوا ہے، شدت میں تبدیلی آئی ہے سوچنے اور سمجھنے، غور و فکر کے

انداز تبدیل ہوگئے ہیں غرض یہ کہ ایک ''ادرا کی انقلاب برپاء ہوا ہے،تبدیلی کے عمل میں کرب میں مبتلاہونے ،بے قراری وکھلبلاہٹ،اضطرابیت،ابال،اچھال،یہ سب اسی تخلیقی دور کے عبوری آثار ہیں،اس درخت کی چھال بھی خودکوریزہ ریزہ کررہی ہے،پرانے پتوں کی جگہ نئے پتے نکل رہے ہیں،ایک تازگی کا احساس ہرگزرتے وقت کے ہرلمحے کے ساتھ جڑرہاہے،کن کی حالت یکن کی صورت میں ابھررہاہے۔شور سے شعور کی جانب گامزن یہ سفراپنی عمر کے مطابق طے شدہ فطری منزلوں سے گزرتا ہوا اپنے ماخذ ہی کی جانب لوٹ رہی ہے،یہی اٹل قانون ہرشے اورعمل پر یکسان طور پر لاگو ہے،اس لئے سوال آپ کے لڑنے یا نہ لڑنے کا نہیں ہے،ہم چاہے من حیث القوم لڑنے سے انکار کریں مگرحق اپنے حقیقت سے منکر کبھی نہیں رہے گا،وہ کسی نہ کسی شکل یا کسی نہ کسی رنگ کواپنے اظہار کیلئے اپنے ہی باطن سے تخلیق کردینے پر قادر ہے،آج جولوگ لڑرہے ہیں،اور جوان لڑنے والوں کے خلاف لڑرہے اور جولوگ تماشائی ہیں سب اس وقت کے اظہار میں شامل ہیں،گواہی کا عمل کرداروں کے ذریعے جاری ہے،کسی کا حق کیلئے اورکسی کا حق کے خلاف اورسب کچھ ایک کھلی کتاب میں درج ہورہاہے،ایک تاریخ جنم لے رہی ہے،ایک داستان بن رہی ہے،ایک پتھریلی زمین پرخون کی بوندابا ندی ہورہی ہے،خوابیدہ روئیگی اپنی باطن میں انگڑائی بھررہی ہے،خشک ٹہنیوں پرافسردگی کے زرد پتوں سے منزلوں کے آثارابھررہے ہیں،اب چاہوتو حق کی گواہی بن جاؤیا حق کے خلاف سینہ سپر ہوجاؤیہ اختیارفقط تمہارے پاس ہے بس اتنی سی بات یادرکھوکہ طاقت کے ذریعے تم منہ بند کرسکتے ہو،زبانیں کاٹ سکتے ہو،لیکن اظہار کا راستہ نہیں روک سکتے ہو،طاقت کے ذریعے تم کسی درخت کوتو کاٹ سکتے ہومگرنشوونما اور روئیدگی کا راستہ نہیں روک سکتے ہو،طاقت کے ذریعے تم دریاؤں کا راستہ روک سکتے ہو،ان کے آگے ڈیم اور بند باندھ سکتے ہومگرتم دریاؤں کی روانی اوران میں پیدا ہونے والی طغیانی کونہیں روک سکتے،یہی قدرت کے اظہار کے فطری ذریعہ ہیں اور اظہار کے ان فطری ذریعوں پہ طاقت کے استعمال اوران کو دبانے کا نتیجہ بھی تم نے دیکھا ہوگا،کتنی بار قدرت نے دریاؤں میں سیلاب اور زمین میں زلزلوں کے ذریعے تمہیں تمہاری طاقت کی استطاعت دکھادی ہے مگرتم ہوکہ مانتے نہیں،اگریقین کرتے اور مانتے تو کیا تو آزادی کے راستے پہ پہرے داراور چوکیداروں کی فوج پراتنے وسائل کا زیاں کرتے،ہرگزنہیں،کیونکہ تم وہی کررہے جو اپنے وقت کے ہرمنکروں نے کیا،اورتاریخی طور پرآج تک کوئی اپنی خدائی کی دعویداری میں اپنی سچائی کوثابت کرنے میں کامیاب نہیں،رہاہرمقام اور جنگ میں طاقت نے حق اورسچائی کے سامنے اپنے ہتھیار پھینک کر شکست فاش قبول کرلی ہے،اوراس جنگ میں بھی یہی ہوگا کہ جیت سچائی کی ہوگی۔لیکن آپ سوچ رہے ہونگے کہ پھرسچائی کیا ہےاورکون سچائی پہ ہے۔؟ اس سوال کا جواب میں تونہیں دے سکتا کہ سچائی کیا ہے،البتہ سچائی کیلئے لڑنے والوں،اور جان دیکرسچائی کی اظہار کرنے والے سپاہیوں اورسرمچاروں کی شان یہ ہے کہ خداوندکریم ان کے متعلق ارشادفرماتے ہیں کہ ''قسم ہے مجھے صف باندھنے والوں کی''اب اس آیات کی تشریح میں تونہیں کرسکتا کہ صف باندھنے والوں سے مرادوہ لوگ ہیں جوالیکشن اوروووٹ کیلئے قطاروں میں صفوں کی شکل میں ووٹ ڈالتے ہیں یاپھروہ لوگ جومیدان جنگ میں حق کی سربلندی کیلئے باطل کے خلاف صف آراہوتے ہیں۔؟ سوال سیدھااورسادہ ہے شاید جواب دینے میں کچھ وقت آپ کواور مجھے یکساں طور پردرکار ہوں کیونکہ دیکھ کر یقین کرنے والوں کیلئے جنت حقیقت کے بجائے ،دل کوخوش رکھنے کا ایک خیال کے سوااورتو کچھ بھی نہیں۔۔!

قومی جنگوں میں جانوں کا ضیاں اور کچھ ہماری ذمہ داری

علی شیر

قومی آزادی کے نظریہ پر کاربند جنگیں قومی وانسانیت کی فلاح بقاءاور خوشحالی کے لئے لڑی جاتی ہیں۔ان بڑی جنگوں میں حیوان نما انسانوں کا قتل وہ مخصوص نکتہ ٹھہرتا ہے جہاں سے بیج کی مانند انسانی زندگی رُکی وجود نئے سرے سے اپنالوہا منواتی ہے خون سے اس کی آبیاری ونشوونما ہوتی ہے کیونکہ یہ تقاضا بھی خون کا ہی کرتا ہے اور ہی وہ عمل ہے جو انسانوں کی یرغمال کی ہوئی انسانیت کو بحال کرنے کی نوید سناتی ہے اور تاریک راہوں میں روشنی کی کرن بن کر ابھرتی ہے مگر جنگ کو جنگ کی حیثیت سے سمجھنا ہوگا اس کے صحیح معنوں اور تقاضوں کے عین مطابق کیونکہ جنگ نہ تو وقت گزاری ہے نہ مشغلہ اور نہ ہی کوئی خون ریز کھیل۔جنگ میں خون بہتا ہے غیروں کے ساتھ ساتھ اپنوں کی بھی ۔جبکہ with intense care an deep observation کی پالیسی کے تحت جاری موجودہ بلوچ قومی جنگ میں دشمن اور اس کے کھٹ پتلی ایجنسیوں و غازیوں کا قلع قمع کرنے ساتھ ساتھ قومی لیڈرشپ اور پالیسی میکرز کو ہمہ وقت بلوچ عام شہریوں کی جان و مال کا تحفظ یقینی بنانے سمیت انہیں پہنچنے والے تکالیف کا ضرور ادراک و احساس کرتے ہوئے حد درجہ احتیاط برتنی چاہے کیونکہ ان کے خلاف جانے والی کوئی بھی عمل اور اس کے نتیجے میں جنم لینے والی ردعمل اور غم وغصہ نازک قومی تحریک کیلئے کسی بھی طرح نیک شگون نہیں ہے چونکہ یہ جدجہد اور انقلابی عمل عام بلوچ عوام کے لیے سرانجام دیا جارہا ہوتا ہے جب اس کے اثرات منفی نکلیں گے تو یہ متاثرہ افراد کے ذہنوں پر نہ صرف وسوسوں اور شکوک وشبہات ودلبرد اشتگی کا ڈھیر رکھ دے گا بلکہ طفیلی پارلیمانی جماعتوں اور سامراجی یونٹس کو پروپیگنڈے اچھل کود اور depoliticization کی سوچ کے چنگاری کو شعلہ جوالہ کرنے کا اچھا خاصا اور تیار موقع ہاتھ آجائے گا یہ الگ بات ہے کہ باشعور لوگ ان نوآدیاباتی ہتھکنڈوں اور جنگی تقاضوں و مجبوریوں کا سمجھ بوجھ رکھ کر اسے قومی انقلابی عمل کا حصہ قرار دیں اور یہ بات بھی کسی کے لیے قابل حیرت اور باعث تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جنگ کی ایک خراب صورت بھی ہے جسے ماننا ہی ہوگا مگر حیف کہ قومی شعور کے فقدان اور نوآبادیاتی واستحصالی نظام کے پنجرے میں محسور بہت سے ہمارے لوگ اس تاریخی جدوجہد کی حقیقت کے سمت میں قدم رکھنے کے برعکس غلط فہمیوں وخوش فہمیوں کے بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔جنگ میں جانوں کے نذرانے اور شہادتیں اولین شرائط میں شمار ہوتے ہیں اور اس دوران (وقتی طور پر) نقصانات کا گراف بھی بہت اوپر چڑھنے لگتا ہے مگر جب بامقصد جنگ کے نتائج سامنے آتے ہیں تو بے شمار ذہنی ومعاشرتی برائیاں دم توڑتی ہے مگر بعض اوقات ایسے سودمندیوں کو عام آنکھ دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ہمارا دشمن بہت شاطر اور مکار ہے وہ قومی جدوجہد کو کمزور کرنے کرنے کی غرض سے قدم قدم روڑے اٹکانے کی تگ ودو میں مصروف رہتا ہے زیردست بلوچ عوام کے دلوں اور ذہنوں پر تحریک سے مایوسی اور بدلی کے مہر ثابت کرنے کیلئے ہمہ وقت انسان دشمن مواقع کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے دشمن کا نظام ہر موڑ پر ہماری حوصلہ شکنی کرتی ہے مگر ان حربوں کے رکھنے سے چھٹکارا پاکر کٹھن راہوں پر جدوجہد جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔دشمن اور اس کے آلاکار چہروں کو پہچاننے اور ان کے بدبودار کرداروں کی نشاندہی کی ضرورت ہے۔

قبضہ گیر فوج کی اس حالیہ جنگی اُبھار کے نتیجے میں جنم لینے والی سنگین صورتحال (انقلابی حالات) میں محدود نقل وعمل اور پسپائی کے بعد شاطر دشمن کی کوشش رہی

ہے کہ پنجابی و پختون اور دیگر کو مروایا جائے تاکہ چکی کے دونوں رُخ بلوچ کو پیسانے کے ساتھ ساتھ قومی تحریک آزادی کو عالمی سطح پر متضاد و غیر تسلی بخش ظاہر کر کے مہذب دنیا کی ہمدردی کو کم سے کم کرنے کی راہ ہموار کیا جاسکے۔ امن فورس (ریاستی لشکر) بلوچ کُش مافیا اور دیگر سامراجی کرائے کے قاتل گروہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔ اب شُنید میں آیا ہے کہ لیویز اور پولیس (جن کہ بارے عمومی تاثر مقامی فورسز و غیر جانب داری کا ہے مگر حقیقت میں یہ قابض کی خیر خواہ و بلوچ نسل کشی ادارے ہیں) کو قوم دشمنی کی مزید ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں لیویز و پولیس کی چیک پوسٹوں کو ایف سی کیمپوں و خفیہ اداروں کے ہمسائے کی شرف عنایت بخش کر اب ملٹری و انٹیلی جنس اداروں کے ساتھ اُنہیں بھی بلوچ نسل کشی مار دھاڑ اور اغواء و یگر ریاستی دہشتگرد سرگرمیوں میں بھرپور طریقے سے آزمایا جائے گا جبکہ قبل ازیں پنجگور پولیس چیک پوسٹ پر پولیس و خفیہ ایجنسیوں کے مشترکہ منصوبے اور حملے میں قومی سپوت فراز کریم اور فیصل بشیر کی شہادت اور پسنی ،نلینٹ ،خضدار ،پنجگور ،خاران اور آواران میں پولیس و لیویز کی قومی جہد کاروں کو خفیہ اداروں کے ہاتھوں اغواہ اور لاشیں پھینکنے میں جو معاونت اور براہ راست قوم دشمن کرتوتوں سے بھلا کون منکر رہے؟؟ دوسری جانب قابض دشمن اس رنگ میں مزید رنگ اور اپنے کرائے کے فوجیوں کی ہلاکت کو گھٹانے کی نیت سے عام بلوچ شہریوں اور کاروباری و تجارتی افراد کو دانستہ اور سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت بیچ میں لا کھڑا کر رہا ہے۔ ایف سی دوران پیٹرولنگ یا نقل و حمل اپنی تحفظ اور بلوچ سرمچاروں کے ممکنہ حملوں کے پیش نظر رکاوٹ حائل کرنے کے لئے عام مقامی پاسنجر اور لوکل گاڑیوں کو اپنے قافلے میں ساتھ ملا رہا ہے اور شہروں و بازاروں میں بلوچ آبادی اور ان کے کانوں کے عقب میں گاڑیاں اور اہلکار کھڑی کر کے کسی بھی ممکنہ حملے کو رد کرنے یا حملے کی صورت میں عام شہریوں کی ہلاکت کو قومی تحریک کے خلاف جواز فراہم کر کے زہر افشانی منافرت اور کاونٹر ٹول کے طور پر عمل میں لانا مقصود ہے۔ اب اس ساری آشوبی منظر نامے کو ایک عام انسانی سوچ سے بڑھ کر زمینی حقائق (ground realities) اور انقلابی و جنگی تقاضوں کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے جس کے پیش نظر کئی ایک اہم سولات ذہین میں اُبھرتے ہیں مثلاً کیا پنجابی ریاست اور اس کی نفسیات کا تاحال ہم اندازا نھیں کر پائے ہیں؟ اگر اندازہ و ادراک ہے تو کیا دشمن کو ان حربوں کے لبادے میں چھوڑ دینا چاہیے؟ اگر نھیں تو کیوں اپنے لئے ایسے سیاسی و جنگی پالیسی و حکمت عملی مرتب نھیں کرتے جو جنگی میدان میں دشمن کے ان چالوں کو بے سود کرنے میں معاون و مددگار اور کارگر ثابت ہوں؟ شاید ہماری قومی لیڈر شپ تھنک ٹینکس و پالیسی سازوں کو ان باتوں کا ادراک ہوا ہو مگر ہم یہاں چند غور طلب تجاویز پیش کر رہے ہیں تاکہ قومی جنگی میدان میں کارآمد ثابت ہوں

1۔ قابض فورسز پر حملوں میں شدت لایا جائے تاکہ وہ خود کو کہیں بھی اور کسی بھی طرح محفوظ تصور نہ کر سکیں۔

2۔ بلوچ عوام قومی حریت پسند سرمچاروں کی بار بار ہدایت پر عمل کر کے ہر ممکن سطح تک دور رہیں کیونکہ بلوچ اس وقت حالت جنگ میں ہے تاکہ کسی بھی ممکنہ حملے عام لوگوں کی جانوں کے ضیاں سے بچا جاسکے۔

3۔ بلوچ دکاندار و تاجر برادری قابض ایف سی یا دوسرے سرکاری اہلکاروں کی قربت کی صورت میں دکانیں مشترکہ طور پر فوراً بند کریں اس عمل کے نتیجے میں دشمن کے خلاف احتجاج اور نفرت واضح ہونے سمیت دشمن کی یہ خوش فہمی اور چال بھی ناکارہ ثابت ہوگی۔

4۔ قومی مفاد کے برخلاف بلوچ لوکل گاڑیاں قابض فورسز کو سودا سلف کی ترسیل اور ان کے افراد و اشیاء کی ٹرانسپورٹنگ سے گریز کریں۔

5۔ لیویز و پولیس کو قوم دشمنی کے مذموم کھیل سے خود کو الگ رکھنا چاہیے سامراجی دباؤ کی صورت میں چند روپوں کی نوکری سے دستبرداری بھی مادر وطن کی شان اور قومی غیرت کے سامنے کوئی اہمیت نھیں رکھتی جبکہ قومی لیڈر شپ و پالیسی میکرز کو از سر نو ان کے بارے میں پالیسز مرتب کرنے پر غور کرنا چاہیے

مندرجہ بالا تمام تجاویز کی کامیابی و سودمندی بلوچ عوام اور عسکری و سیاسی محاز میں سرگرم جہد کاروں کی باہمی تعاوان (mutual cooperation) کے نتیجے میں ہی ممکن ہے وگرنہ یہ خواب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

آزادی کی جدوجہد اور فرد کا کردار

یار جان بلوچ

ایک انسانی سماج میں رہتے ہوئے ہر شخص کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بحیثیت ایک فرد کے اپنا کردار ادا کرے۔ تاکہ اسے ایک مکمل فرد بنانے میں اس کے سماج نے جتنی توانائیاں صرف کی ہوتی ہیں وہ انہیں اپنے سماج میں واپس لوٹا دے اور اپنے سماج کو اس وقت کی نسبت بہتر شکل میں لانے کیلئے جدوجہد کرے جس حالت میں وہ اس کا حصہ بنا تھا اور اگر سماج محکوم ہو جہاں سماج کا اختیار باہر کسی اور سماج میں وجود رکھتا ہو، سماج میں موجود توانائی، اس کے وسائل اور پیداوار باہر جارہے ہوں تو سماج پسماندگی اور زوال کا شکار ہو کر بلآ کر غلامی کی موت مرنے لگتا ہے۔ ایسی صورتحال میں سماج کو اپنی بقاء کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ محکومی اور غلامی کسی معاشرے کی موت کا سبب بنتی ہیں۔ ایسے حالات میں فرد کا سماجی کردار صرف ایک ذمہ داری تک محدود نہیں رہ جاتا بلکہ سماج کا وجود بھی فرد کے کردار پر انحصار کرتا ہے۔

بلوچ سماج اپنی قومی بنیادوں کے ابتدا سے ہی ایک قبائلی سماج رہا ہے۔ تب بلوچوں کی سماجی ساخت اور اس کے زیر اثر فرد کا کردار بھی قبائلی نفسیات کی عکاسی کرتا دکائی دیتا ہے۔ جہاں فرد اپنے قبیلے کی ملکیت ہوتے ہیں۔ فرد کے مفادات اس کا کردار اور سوچ سب گروہی بنیادوں پر تشکیل پاتے ہیں۔ اپنے قبیلے میں رہتے ہوئے ہر بلوچ اپنے قبیلے کا ایک فعال فرد رہا ہے۔ ان کی تربیت ہی ایسے ہوتی تھی کہ انہیں دوسرے لوگوں میں سبقت لے جانا ہوتا اور اپنے قبیلے کیلئے کچھ کرنا ہوتا۔ بلوچ قومی تاریخ اور روایات یہ ثابت کرتی ہیں کہ بلوچ سماج میں ہر فرد سے یہ تقاضہ کیا جاتا ہے کہ وہ بلوچیت پر پورا اترے گا اور بلوچ ہونے سے مراد ہی مخصوص قوائد وضوابط کی پابندی ہے۔ اگر کوئی بلوچ ہونے کا دعوی کرتا ہے تو اس سے ایک کردار وابستہ ہوتی ہے جسے ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ اسے ادا نہ کر پاہے تو اس کے بلوچ ہونے پر اعتراض اٹھایا جائیگا۔ چاکر، شہ مرید اور بالاچ گورگیج اگر اس حد تک گئے تو ان کے پیچھے ایک بنیادی وجہ یہی بلوچیت یا بلوچ ہونے کے قوائد وضوابط تھے جن سے وہ کسی صورت بھی فرار نہ ہو سکتے تھے۔ درحقیقت یہی اس وقت ان کا کردار تصور کیا جاتا اور ان سے یہی توقع کی جاتی کہ وہ اسے پورا کرینگے تو انہوں نے قربانیاں دی اور اسے پورا کیا جو آج ہماری تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔

پہلے برطانوی شاطر سامراج اور پھر پاکستانی وحشی سامراجیت کے زیر اثر بلوچ سماج پسماندگی کا شکار ہوا اور اپنے اقدار فراموش کرنے لگا۔ سماجی بنیادیں تبدیلی کی جانب گامزن ہوئی۔ اور سماج اپنی سابقہ بنیادیں برقرار نہ رہ پایا۔ لیکن سماج میں موجود آزاد سوچ کبھی ختم نہ ہو پائی اور آزاد منش لوگوں نے آزادی کی سوچ کو برقرار رکھا اور سامراجیت کے خلاف آزاد بلوچ سماج کیلئے جدوجہد کی بنیاد رکھی۔ مختلف ادوار میں انقلابی اور آزاد سوچ رکھنے والوں نے اس جدوجہد کی حفاظت کر کے اسے ہم تک بطور امانت پہنچایا اور آج آزادی اور انقلاب کیلئے جدوجہد اسی جذبے اور مستقل مزاجی کے ساتھ جاری ہے۔ اسی جدوجہد نے سامراج کے زیر اثر بلوچ قبائلی سماج کی ٹوٹتی بنیادوں پر ایک قومی سماج کی بنیاد رکھی اور انہی سابقہ بنیادوں کا ذوال نئے اور زیادہ مستحکم بنیادوں کا سبب بنا۔ قبائلی نفسیات کی جگہ وسیع اور کشادہ قومی سوچ نے لے لی اور فرد کے کردار میں تبدیلی سے اب ایک قومی کردار کی تشکیل ہوئی۔ اب قبائلی سماج کی نسبت ایک استحصال زدہ اور مقبوضہ سماج میں رہتے ہوئے ان کا کردار بنیادی طور پر یہی رہا کہ وہ اپنے سماج کو بہرونی قبضہ سے آزاد

کریں اور اسے پسماندگی سے نکال کر وقت کے ساتھ ہم قدم کریں ۔آج قومی بنیادیں مظبوط ہو چکی ہیں ہر بلوچ اپنے قوم پر فخر کر سکتا ہے ان کیلئے بلوچ ہونا ایک اعزاز کی بات ہے۔ کیونکہ جدید دنیا میں وہ جب دوسرے اقوام اور دنیا کے دیگر جگہوں پر آباد لوگوں کو دیکھتے ہیں تو انہیں پتہ چلتا ہے کہ بحیثیت قوم وہ بھی اپنا الگ وجود رکھتے ہیں ،ان کی سرزمیں اہم ہے، جدا تاریخ ہے،الگ ثقافت کے مالک ہیں غرض وہ اک مکمل الگ قومی وجود رکھتے ہیں اور اگر ان کے پاس کچھ نہیں ہے تو وہ ان کی سیاسی طاقت ہے جو کہ قبضہ گیر نے ان سے چھین لی ہے۔سیاسی طاقت اور قومی ریاست کی بحالی انہیں جدید اقوام کے ساتھ ہمقدم کر دیگی۔لیکن ان سب سے زیادہ جو چیز اہمیت رکھتی ہے وہ بلوچ قوم کی گزشتہ ایک صدی پر محیط قومی جدوجہد ہے۔آج بلوچ ایک ایسے جدوجہد کا مالک ہے جس پر پوری دنیا کی نظریں جمی ہوئی ہیں اور یہ بلوچ قوم کے پاس اس سب سے بڑی طاقت ہے۔کسی سماج میں فرد کا کردار اور اس کی زمہ داریاں فطری ہوتی ہیں جنہیں پورا کرنا اس کا فرض ہوتا ہے۔لیکن ایسی صورت میں کہ سماج غلام ہو اور آزادی کیلئے جدوجہد جاری ہو تو فرد کے کردار کی اہمیت بڑھ جاتی ہے ایسی صورت میں فرد کا منفی یا مثبت کردار پر ہی اس سماج کی بقاء کا انحصار ہوتا ہے۔

استحصال زدہ معاشرہ طبقات اور گروہوں میں بٹھ جاتا ہے اور ایک طبقے کے مفادات دوسرے سے ٹکرار ہے ہوتے ہیں۔ایسے میں کوئی بھی غیر متعلق نہیں رہ سکتا ہر شخص کسی طبقہ کے مفادات کے نمائندگی کر رہا ہوتا ہے۔جن میں ایک طبقہ ایسے لوگوں کا ہوتا ہے جو کہ آزادی اور سماج کی بہتری کیلئے جدوجہد کرتے ہیں جبکہ دوسری جانب ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے مفادات استحصال کرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔اس طرع سماج میں موجود ہر گروہ اور ہر شخص کسی ایک طبقہ سے یا کسی ایک طبقے سے وابستہ ہوتا ہے۔اور ان کا ہر عمل یا ان کی بے عملی کسی ایک طبقے کے مفاد میں اور دوسرے کے خلاف جارہا ہوتا ہے۔بحیثیت اس سماج کے ایک فرد کے ہونا تو یہ چاہئے کہ ہر شخص ان قوتوں یا اس طبقے کے ساتھ خود کو وابستہ کرے جو کہ اس سماج کی بہتری کیلئے اور استحصال سے آزادی کیلئے جدوجہد کر رہے ہوں کیونکہ یہی راستہ ہے اس سماج کو زندہ اور آزاد رکھنے کا۔سماج میں ایسے بھی افراد یا گروہ ہوتے ہیں جو کہ اس سماج سے اپنی وابستگی ختم کر دیتے ہیں۔ان کیلئے اس سماج کی غلامی اور تباہی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ان کا واحد مقصد ذاتی کامیابی اور انفرادی مفادات ہوتے ہیں اور چونکہ اس سماج پر قابض استحصالی قوت کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اس قوت کے ساتھ منسلک ہو کر اس سماج کو جس میں وہ پیدا ہوئے جہاں سے وہ تعلق رکھتے ہیں اور جو ان کی پہچان ہے اس سماج کی تباہی کی کوششوں میں حصہ دار بن جاتے ہیں۔ان کے ساتھ سماج کے وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو سماجی بیگانگی کے شکار اپنے سماج سے منقطع ہو کر اپنے ذات تک محدود ہوتے ہیں اور اپنے سماجی کردار کو فراموش کر جاتے ہیں۔وہ کہاں سے آئے ہیں اور ان کے آس پاس کے لوگوں سے ان کا واسطہ کیا ہے اس سے ان لوگوں کو کوئی غرض نہیں۔حالانکہ اپنی مفادات اور تنگ نظر مقاصد کیلئے وہ اسی سماج اور ان ہی لوگوں پر انحصار کرتے ہیں۔ان کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے اپنے ذات کی ترقی اور خود سے جڑے مخصوص گروکو خوشحال رکھنا۔لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ایسے لوگ سماج سے باہر وجود رکھتے ہیں۔درحقیقت جن ذاتی مفادات کو ان لوگوں نے اپنا مقصد بنایا ہوا ہے ان مفادات کو وہ اسی سماج سے ہی حاصل کر رہے ہوتے ہیں اور ان مفادات کے حصول کیلئے ان کو کسی طبقہ کے ساتھ تعاون کرنا پڑھتا ہے۔ان کی بے عملی بھی خود قبضہ گیر کی پیدا کردہ ہے اور ان کا بے عمل یا سماج سے بیگانہ رہنا قبضہ گیر کے مفاد میں ہے۔سماج کے ایک بڑے حصے کو بے عمل بنانے کیلئے باقاعدہ قبضہ گیر حکمت عملی کے تحت کام کرتی ہے۔جنہیں لالچ یا خوف کے ذریعے خاموش کرایا جاتا ہے یا پھر انہیں مختلف دیگر طریقوں سے گمراہ کر کے انہیں اپنے سماج سے بیگانہ کر دیتے ہیں۔اس کے بعد وہ کوئی مثبت کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہ جاتے بلکہ سماج میں بے عمل ہو جاتے ہیں

اوران کی بے عملی ہی سماج میں ان کا منفی کردار بن جاتا ہے۔

آزادی کیلئے ہر شخص کا کردار اہم ہے اور ہر شخص اپنا مثبت کردار ادا کرنے کے قابل ہوجائیگا تب ہی ہم اپنے قوم اور سماج کے حقیقی آزادی کا دعوی کر سکتے ہیں۔قومی آزادی کی جدوجہد بلوچ سماج کو استحصال کے شکنجوں سے نکال کر آزادی جانب لیجانے کا ہتھیار ہے۔آج یہ جد جہد اس حد تک مضبوط ہوچکی ہے کہ اس کی وجہ سے سماج میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔مفادات تبدیل ہو رہے ہیں اور سماج کے مختلف گروہ مختلف سمت میں بڑھ رہی ہیں۔جو کہ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ایک جانب بلوچ سماج کی سیاسی قوت آزادی کیلئے جدوجہد کرنے والوں کے ہاتھوں میں مرکوز ہو چکی ہے۔جبکہ دوسری جانب قبضہ گیر ریاست پاکستان ہے جو کہ اپنے فوج اور اپنے رائج نظام کی وجہ سے اب تک بظاہر غالب ہے۔ایسے حالات میں بلوچ سماج میں جتنے بھی گروہ ہیں چاہیئے وہ نیم قبائلی ہوں کاروباری ہوں یا دیگر مفادات کے تحت ہوں ان دونوں میں سے کسی ایک کی جانب جھکاور کہتے ہیں۔آنے والے وقتوں میں بلوچ سماج واضع طور پر تقسیم ہوجائیگی جہاں ایک طرف آزادی و انقلاب کی خاطر جد و جہد کرنے والی قوت ہوگی جبکہ دوسری جانب استحصال کو برقرار رکھنے والے اور قبضہ گیر کے ہمنواہ ہونگے۔جبکہ ایسے لوگ اور گروہ موجود ہیں جو کہ ابھی سے راہ فرار کے تاک میں ہیں ایسے موقع پرست جو کہ بیگانگی کا شکار ہو چکے ہیں جن کا مزید اس سرزمین اور اپنے سماج سے کوئی واسطہ نہ رہا ان حالات میں ان کیلئے واحد راستہ یہی رہ جاتا ہے کہ وہ یہ سرزمین چھوڑ کر کہیں کسی اور ماحول میں جاکر اپنے انفرادی مفادات حاصل کریں۔

بلوچ سماج کو زندہ رکھنے اور اس کی آزادی کو بحال کرنے والی واحد قوت آزادی کی جدوجہد ہے۔اس سماج میں رہتے ہوئے ہم نے زندہ رہنا سیکا ایک تاریخ ثقافت اور سرزمین کے مالک بنے اور اس میں ہم نے اپنی شناخت بنائی جس کی بنیاد ہر آج ہم اپنے وجود کو دنیا میں منواتے ہیں۔اب یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ اس سماج میں رہتے ہوئے اس کی آزادی اور بقاء کیلئے کردار ادا کریں اگر ہم اپنا کردار ادا کرنے کے بجائے اس سماج سے ہی فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں یا اپنے ذاتی مفادات کیلئے اپنے منفی کردار کے ساتھ اپنے سماج کی تباہی اور غلامی کا سبب بنتے ہیں تو اس کا واحد نتیجہ ہماری ذاتی اور گروہی تباہی ہوگی کیونکہ زندہ سماج وہی ہوتا ہے جس میں اپنی بقاہ کا سامان ہو اور بلوچ سماج میں یہ خاصیت ہے۔ایک صدی پر محیط غلامی کے باوجود آج بھی آزادی اور انقلاب کیلئے جد جہد جاری ہے۔جس کا نتیجہ استحصال کرنے والے قبضہ گیروں اور ان کے ہمنوا گماشتوں کی تباہ پر منتج ہوگا۔

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ نہ قابضین کو بقاء نصیب ہوئے ہے اور نہ ہی ان کے ہمنواوں کو اگر آج دنیا کی تاریخ میں ان کا نام موجود ہے تو بھی اس صورت میں کہ لوگوں کیلئے ایک سبق ہے۔اور ان لوگوں کو بھی دنیا میں کہیں پناہ نہ ملی جنہوں نے اپنے سماج سے فرار ہوکر آندھے پن اور تنگ نظری میں کسی اور سماج میں آباد ہوگئے وہاں بھی انہیں کبھی قبول نہیں کیا اور وہ ہمشہ دوسرے درجے کے شہری یا غیر ہی رہے۔ایک غلام قوم کیلئے اور کوئی راستہ نہیں اس کے سوا کہ اپنی آزادی کیلئے جدوجہد کرے اسی طرح ایک غلام سماج کے ہر فرد کی زمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی تمام تر توانائیاں اپنے سماج کو آزاد کرانے میں صرف کرے۔

اگر غلامی غلط نہیں تو کچھ بھی غلط نہیں۔۔۔۔۔〈ابراھیم لنکن〉

قصہِ اگست بلوچ تاریخ کے تناظر میں

پُھلین بلوچ

ارتقاء اور تغیر پذیر انسانی سماج اور تہذیب وتمدن کی ہزاروں سالہ تاریخ ایسے واقعات ولمحات سے بھری پڑی ہے جو کسی فرد، کسی قوم یا کسی معاشرے کیلئے اہمیت پا کر اسکے ذہن پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ نسل در نسل منتقل ہوتی یہ یادگار لمحات یا تو خوشی کے لمحات ہوتے ہیں یا پھر انسانی ذہن کو غم میں ڈبو دینے والے ناخوشگوار لمحات۔ مگر سامراج اور طاغوتی قوتوں سے نبرد آزما انسانیت اور انسانی تاریخ کی تکمیل کرنے والے محکوم اور زیردست اقوام کی تاریخ میں چند لمحات واقعات ایسے ہیں جو پوری دنیا میں بالادست قوتوں کی بربریت کا پردہ چاک کر کے مظلوم اقوام کی جدوجہد اور تحاریک کو ایک نئی جہت دے گئے ہیں۔ ممتاز حیثیت حاصل کرنے والے یہ خاص لمحات اقوام کے ذہنوں میں پیوست ہو کر سامراج سے نفرت اور جدوجہد میں شدت کا باعث بنتے ہیں۔ انسانی تاریخ کے فخریہ لمحات اور انسانی تاریخ کی تشکیل بھی حالات، مشکلات ومصائب اور جدوجہد کی بھٹی میں پک کر کندن بن کر آگ وخون کے دریا پار کر کے منزل مقصود تک پہنچنے والے انہی اقوام کی مرہون منت ہے۔

جیسا کہ 1919 میں ہندوستان کے جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر کی بربریت ہندوستان کی تحریک آزادی کو ایک نئی جہت دے کر بھگت سنگھ جیسے انقلابیوں کو جنم دینے کا باعث بنا۔

جیسا کہ سی تف میں دس ہزار الجزائریوں کا قتل اور 17 اکتوبر 1961 کو پیرس میں پیرس پولیس کی الجزائری تارکین وطن پر وحشیانہ بربریت اور قتل عام الجزائریوں کی آزادی کی تڑپ میں مزید شدت کا بنا۔

جیسا کہ 21 فروری 1958 کو نام نہاد اسلامی ریاست پاکستان کی فوج بنگالی طالبعلموں پر وحشیانہ فائرنگ اور کئی طلباء کی شہادت (جواب پوری دنیا کیلئے ممتاز حیثیت حاصل کر چکی ہے) بنگلہ دیش کی تحریک آزادی کے آغاز کا باعث بنا۔ اور دیگر سینکڑوں مثالیں۔۔

بلوچ قوم کا شمار بھی انہی محکوم وزیردست اقوام میں ہوتا ہے جنہیں قدرت نے انسانیت کی تکمیل کی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ جو اپنی ہزاروں سالہ تاریخ میں کبھی آزاد تو کبھی زیردست مگر غلامی کی سیاہ رات میں اپنے فرزندوں کی لہو کے چراغ جلائے آزادی کے صبح صادق تک پہنچنے کیلئے آج تک اغیار قابضین سے نبرد آزما انسانیت کی لاج رکھنے میں محو سفر ہے۔ یوں تو دیگر اقوام کی طرح بلوچ قوم کی تاریخ بھی اہمیت کے حامل سے بھری پڑی ہے مگر سامراجی تخلیق کردہ اور خطے میں سامراجی مفادات کے چوکیدار اور سامراج ہی کی شہہ پر بلوچ سرزمین پر قبضہ جمانے والے ریاست پاکستان کے خلاف 65 سالہ جنگ میں ماہِ اگست کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات سے پُر یہ مہینہ اس قصے کی مانند ہے جسکا ہر آنے والا لمحہ، ہر واقعہ ایک دوسرے سے بڑھ سننے والوں کیلئے دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ ایک لمحہ، ایک ساعت، ایک دن نہیں بلکہ پورے 31 دنوں پر محیط اس مہینے میں بلوچ قوم اپنی اغیار سے غلامی سے نجات پانے کی یادیں بھی تازہ کرتی ہے

اوراپنے دشمن کے وجود (جس نے بلوچ قوم کودوبارہ غلامی کے لعنت میں دھکیل دیا) اوراپنے فرزندوں کے بہتے لہو کے غم میں بھی گرفتار ہوتی ہے۔ دشمن ریاست ہر آنے والے اگست میں زیادہ سے زیادہ بلوچ فرزندان کوشہید کر کے اپنے ہاتھوں کوانکے خون سے رنگ کراپنے وجود کی خوشی مناتی ہے۔ یوں تو بلوچ قوم کی تاریخ میں کئی اگست گزر گئے ہوں گے مگراہمیت کے حامل اگست کے قصے کا آغاز 1947ء سے ہوتا ہے۔ذیل میں وہ واقعات ولمحات درج ہیں جواس ماہ کی اہمیت کواجاگر کرتی ہیں۔

:1947

4اگست: 4اگست 1947 کووائسرے ہندلارڈ مائنٹ بیٹن ،سامراج کی نوتخلیق کردہ ریاست پاکستان کے متوقع گورنر جنرل محمد علی جناح اورخان آف قلات میراحمد یارخان کے درمیان ایک اعلامیے پردستخط ہوئے جسکی رو سے ریاست پاکستان اورحکومت برطانیہ نے قلات (بلوچستان) کو باقی ہندوستانی ریاستوں سے مختلف قرار دے کرایک الگ آزادریاست کے طور پرتسلیم کرلیا۔اوریہ اعلان کیا کہ قلات حکومت برطانیہ کی ماتحت ریاست نہیں بلکہ اسکے حکومت برطانیہ کے ساتھ معاہدات ہیں اور برطانوی حکومت کی خطے سے متوقع انخلاء کے بعد یہ معاہدات خود بخود ختم ہوجائیں گےاورریاست قلات کی حیثیت ایک مکمل خودمختار ریاست کی ہوگی۔اس اعلامیے کوآل انڈیا ریڈیو کے ذریعے نشر بھی کیا گیا۔

11اگست: 11اگست 1947 کوخان آف قلات میراحمد یارخان نے بلوچستان کی مکمل آزادی کا اعلان کردیا۔قلات کی شاہی مسجد پرآزاد بلوچستان کا جھنڈا لہرایا گیااور بلوچی کو بلوچستان کی قومی زبان قرار دیا گیا۔بلوچ قوم ہرسال اسی دن کو یوم آزادی کے طور پرمنا کر دنیا کو یہ پیغام دیتی ہے کہ وہ ایک آزادقوم تھی جسکی آزادی کو بزورطاقت سلب کرلیا گیااوروہ موجودہ پاکستانی سیٹ اپ میں رہنے کو ہرگز تیارنہیں بلکہ اپنے آزادریاست کی بحالی کی جدوجہد میں مصروف ہے۔

14اگست: 14اگست 1947 کو بلوچ دشمن ریاست پاکستان معرض وجود میں آیا جس نے بعد میں بلوچ سرزمین پر بزور شمشیر قبضہ کرلیا۔بلوچ قوم ہرسال دن کو یوم سیاہ کے طور پرمنا کر قبضہ گیراوراسکے وجود سے نفرت کا اظہار کرتی ہے۔

:1973

19اگست: 1973 میں جب بلوچ سرزمین پر بھٹو کی یزیدیت کا آغاز ہوا تو اس دن جھالاوان میں پاکستانی فضائیہ کی بمباری سے نامور بلوچ لیڈر علی محمد مینگل شہید ہوگئے۔

1974:

2اگست: بلوچ سرزمین پر بھٹو کی یزیدیت جاری تھی کی 2 اگست 1974 کو بی ایس او کے سرگرم رکن مجید بلوچ نے بھٹو کی کوئٹہ آمد کے موقع پر اسے اسکے انجام تک پہنچا کر اس سے بلوچ قوم پر ڈھائے مظالم کا حساب لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس دوران جب بھٹو ایک اجتماع سے خطاب کر رہے تھے تو مجید بلوچ نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اپنے ہدف کو تو نشانہ بنا سکے مگر خود جامِ شہادت نوش کر گئے۔ مجید بلوچ کو ''شہید بلوچ اول'' کا خطاب دیا گیا۔

7اگست: 7 اگست 1974 کو پاکستانی فوج نے بلوچ قوم پرست لیڈر اور گل خان نصیر کے بھائی میر لونگ خان اور اسکے ساتھیوں کو دشت گوران میں گھیرے میں لے لیا۔ 25 فوجیوں کو موت کی نیند سلانے کے بعد میر لونگ خان اپنے 35 ساتھیوں کے ساتھ جامِ شہادت نوش کر گیا۔

2006:

3اگست: ڈیرہ بگٹی میں پاکستانی فورسز کی وحشیانہ فضائی بمباری سے 188 افراد شہید ہو گئے

14اگست: پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے دن ڈیرہ بگٹی میں بمباری سے 7 عورتوں سمیت 30 افراد افراد شہید ہو گئے۔ پاکستانی فورسز نے نیو کاہان اور کوئٹہ کے دیگر علاقوں میں کریک ڈاؤن کر کے 140 افراد کو گرفتار کر لیا۔

26اگست: نامور بلوچ قوم پرست لیڈر نواب اکبر خان بگٹی تراتانی کے پہاڑوں میں قابض فورسز کے لڑتے ہوئے خمیسیٰ مری اور دیگر 38 ساتھیوں کے ساتھ جام شہادت نوش کر گئے۔ نواب بگٹی اور ساتھیوں کی شہادت بلوچ تحریک آزادی میں ایک نئی روح پھونک کر اسے ایک نئی جہت دے گیا۔

27اگست: شہید نواب اکبر بگٹی کی شہادت کے ردعمل میں بلیدہ میں احتجاج کے دوران بی ایس او (آزاد) کے سینئر کارکن جاوید اختر بلوچ پر ایف۔سی نے فائرنگ کی جسکی وجہ سے وہ شدید زخمی ہوئے اور 1 ستمبر 2006 کو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر گیا۔

2007

2اگست: پاکستانی فورسز حب چوکی میں بلوچ آبادیوں کا گھیراؤ کر کے 18 افراد کو گرفتار کر کے نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا۔

5اگست: فورسز نے نیو کاہان کا گھیراؤ کر کے 24 افراد کو گرفتار کر لیا۔

8اگست: 8 اگست 2007 کو نامور بلوچ گوریلا لیڈر ڈاکٹر خالد بلوچ اپنے ایک اور ساتھی دلجان بلوچ کے ہمراہ مند اور تمپ کے درمیانی علاقے ''سوراپ'' میں قابض فورسز کے ساتھ لڑتے ہوئے کئی اہلکاروں کو موت کی نیند سلانے کے بعد جامِ شہادت نوش کر گیا۔ قابض فورسز نے شہید ڈاکٹر کے جسمِ مبارک میں 132 گولیاں پیوست کر کے اپنی ناکامی چھپانے کی کوشش کی۔ نواب بگٹی کی شہادت کی طرح ڈاکٹر خالد اور دلجان کی شہادت بھی بلوچ قومی تحریک میں مزید شدت لانے کا باعث بنا۔

14اگست: 14 اگست 2007 کو جب پاکستانی آرمی کے اہلکار آرمی کیمپ پیشی مری ایریا میں بلوچ سرزمین پر اپنی ریاست کے وجود کی خوشی منا رہے تھے تو گلزار مری نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرمی کیمپ پر حملہ کر دیا۔ فورسز کو بھاری نقصان پہنچانے کے بعد گلزار مری اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ شہید ہو گئے۔

18اگست: پاکستانی فورسز نے سوئی، پٹ فیڈر، لوٹی، کوئٹہ، نصیر آباد اور نوشکی سے 121 افراد کو گرفتار کر لیا۔

22اگست: کوہستان مری میں فضائی بمباری سے شاہ میر مری شہید ہو گئے۔

25اگست: فورسز نے نیو کاہان کا گھیراؤ کر کے 32 افراد کو گرفتار کر کے نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا۔

:2008

4اگست: مغربی مقبوضہ بلوچستان میں ایرانی شیعہ رجیم نے نامور بلوچ سماجی کارکن اور قوم پرست رہنما یعقوب مہرنہاد کو پھانسی دی۔

12اگست: ڈیرہ بگٹی اور جعفر آباد میں تین بلوچ فرزند شہید ہو گئے۔

16اگست: پاکستانی فورسز نے بابر کچھ میں شیلنگ کر کے 5 خواتین اور 3 بچوں کو زخمی کر دیا۔

22اگست: کوہستان مری میں فضائی بمباری سے 26 خواتین و بچے لقمہ اجل بن گئے۔اور 21 زخمی ہوئے۔

25اگست: تربت میں نواب اکبر خان بگٹی کی دوسری برسی حوالے سے نکالی جانے والی بی۔این۔ایف کی ریلی پر ایف۔سی کی وحشیانہ فائرنگ سے بی۔این۔ایم کے رہنما الطاف بلوچ شہید ہو گئے۔
ڈیرہ بگٹی میں مسجد پر گن شپ ہیلی کاپٹروں کی بمباری سے 9 افراد شہید ہو گئے۔

:2009

23اگست: آئی۔ایس۔آئی کے اہلکاروں نے بی۔این۔ایم کے جوائنٹ سیکریٹری رسول بخش مینگل کو اوتھل سے لاپتہ کر دیا۔

30اگست: پاکستانی فورسز نے نوشکی سکول ٹیچر عطاء جمالدینی کو اغواء کر لیا۔

31اگست: بی۔این۔ایم کے مرکزی جوائنٹ سیکریٹری رسول بخش مینگل کی تشدد زدہ درخت سے لٹکی ہوئی لاش بیلہ کے مقام سے ملی۔

:2010

1اگست: کوئٹہ سے ناقابل شناخت لاش برآمد ہوئی۔

6اگست: غلام قادر اور بہار بنگلزئی کی مسخ شدہ لاشیں بروری روڈ کوئٹہ سے برآمد ہوئیں جنہیں شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

8اگست: پنجگور میں ایف سی نے سکول وین پر فائرنگ کر کے کئی معصوم طلباء وطالبات کو زخمی کر دیا۔

10اگست: پاکستانی فورسز نے بی۔آر۔پی کے لیڈرز وہیب رودینی اور خان محمد کو خضدار سے اٹھا کر لاپتہ کر دیا۔

11اگست: نذیر احمد بلوچ کی مسخ شدہ لاش مستونگ سے برآمد ہوئی۔

مند میں بلوچستان کی یوم آزادی کی مناسبت سے منعقد تقریب پر F.C نے فائرنگ کر کے عبدالحکیم کو شہید کر دیا۔
درین اثناء کراچی کے علاقے لیاری میں لیاری گینگ وار کے کاندوں نے آزاد بلوچستان کا جھنڈے لگاتے ہوئے نوید بلوچ کو فائرنگ کر زخمی کر دیا اور اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے اور بعد سولہسپتال کے زخمی حالت میں پھینک کر فرار ہو گئے۔
عزیز اللہ بلوچ کی مسخ شدہ لاش بائی پاس کوئٹہ سے برآمد ہوئی۔
خضدار میں عبداللہ بلوچ پاکستانی خفیہ اداروں کے کارندوں نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔

15اگست: بی آر پی کے رہنماذ وہیب رودینی اور خان محمد کی مسخ شدہ لاشیں خضدار سے برآمد ہوئیں۔

16اگست: شاہجہان بلوچ کی مسخ شدہ لاش کوئٹہ سے برآمد ہوئی۔
ایف۔سی اور خفیہ اداروں کے اہلکاروں نے بی ایس او آزاد کے سابق سینیئر وائس چیئر مین آغا عابد شاہ، بی این ایم کے زونل لیڈر سفیر بلوچ اور ایک سکول ٹیچر ماسٹر ستار بلوچ کو پنجگور کے بھرے بازار سے اٹھا کر لاپتہ کر دیا۔

17اگست: پنجگور میں آغا عابد شاہ و ساتھیوں کے اغواء کے خلاف نکالی گئی ریلی پر فورسز کی فائرنگ جس سے محمد حسین جان بحق ہو گئے۔

19اگست: معروف بلوچ لیڈر عباس جان گچکی کے والد اور بلوچ قوم پرست رہنما سردار نادل جان گچکی کو پاکستانی خفیہ اداروں کے کارندوں نے تمپ میں فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔

20اگست: تربت کے علاقے کوگدان میں ایف۔سی نے ایک راہگیر بلوچ کو اینٹوں سے وار کر کے شہید کر دیا۔ درین اثناء کوئٹہ میں پاکستانی فورسز نے سرچ آپریشن شروع کر کے 80 سے زائد افراد کو اغواء کر کے نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا۔

21اگست: محمد عمر اور عرض محمد مری کی تشدد زدہ لاشیں کوئٹہ سے برآمد ہوئیں۔

23اگست: تربت میں نعمت اللہ بلوچ کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا۔

26اگست: گوکدان تربت سے ایک نا قابل شناخت مسخ شدہ لاش برآمد ہوئی۔

27اگست: خضدار میں طاہر بلوچ کو پاکستانی خفیہ اداروں نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا

: 2011

2اگست: نیوکاہاں کوئٹہ میں دومری بچے پاکستانی خفیہ داروں اوراسکے گماشتوں کے بم دھماکے سے شہید ہوگئے۔لاشوں کی حوالگی کا مطالبہ کرنے والے خاندان کے چھافرادکوخفیہ اداروں نے اغواء کرلیا۔

22اپریل2011سے لاپتہ عصمت اللہ بادینی کی مسخ شدہ لاش برآمد

3اگست: پاکستانی فورسز نے کوئٹہ کے علاقے سریاب میں گھر گھر تلاشی لے کے 50افرادکوگرفتارکرکے نامعلوم مقام پرمنتقل کردیا۔

5اگست: انجیرہ میں بی۔این۔ایم کے رہنمااوربی۔ایس۔او(آزاد) کےممبرزشہیدزکریابلوچ کے بھائی یاسین بلوچ کو پاکستانی خفیہ اداروں کے کارندوں نے فائرنگ کرکے شہیدکردیا۔

7اگست: فورسز نے میوند میں آپریشن شروع کرکے صدیق بلوچ سمیت کئی افرادکواٹھاکرلاپتہ کردیا۔

10اگست: حب چوکی سے مہران مری کی مسخ شدہ لاش برآمدہوئی۔

آرمی اورایف۔سی نے نیوکاہان کوئٹہ میں آپریشن شروع کرکے 60افرادکواغواءکرکے نامعلوم مقام پرمنتقل کردیا۔

13اگست: خضداراورمسونگ سے دومسخ شدہ لاشیں برآمدہوئیں۔ایک کی شناخت نادرعلی کے نام سے ہوئی۔جبکہ دوسرے کی شناخت نہ ہوسکی۔

15اگست: سینیئرصحافی منیرشاکرکو پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے فائرنگ کرکےقتل کردیا۔

17اگست: ایف۔سی اورخفیہ اداروں کے اہلکاروں نے مشکے سے کراچی جاتے ہوئے بی۔این۔ایم مشکےزون کے نائب صدر راشدبلوچ کو بیلہ کے مقام سے اٹھاکرلاپتہ کردیا۔

19اگست: بی ایس او(آزاد)پشاورزون کے صدرطارق بلوچ اورممبرحمید بلوچ جبکہ مستونگ زون کے دوممبران محمود بلوچ اور لطیف بلوچ کی تشددزدہ لاشیں مستونگ وردشت سے برآمدہوئیں۔

بی۔این۔ایم کے رہنماساجدبلوچ اورخالدبلوچ کی مسخ شدہ لاشیں اورماڑہ سے برآمدہوئیں۔

حب چوکی سے دومسخ لاشیں برآمدہوئیں جنکے ناموں کی شناخت نہ ہوسکی۔

20اگست: بی۔این۔ایم کے شہیدچیئرمین غلام محمد بلوچ کے بھتیجے آصف بلوچ اورابوبکربلوچ کی مسخ شدہ لاشیں تربت سے برآمدہوئیں۔

23اگست: بھاگیہ بگٹی کی لاش ڈیرہ اللہ یارسے برآمدہوئی۔

25اگست: باسط بلوچ کی تشددزدہ لاش تربت سے برآمدہوئی۔

30اگست : حب سے شریف مری کی مسخ شدہ لاش برآمدہوئی۔

31اگست: خضدارمیں ابراہیم زہری کوفائرنگ کرکےقتل کردیا گیا۔

امریکی بل اور ہماری امیدیں

صہیب مینگل

بلوچ فرزندوں کی بیش بہا قربانیوں کی بدولت آج بلوچ قومی تحریک اپنے چونسٹھ سالہ تاریخ میں ایک ایسے مقام پر جا پہنچی ہے جس کا تصور شاید کچھ سال پہلے ممکن بھی نہیں تھا۔ کمیٹڈ دوستوں کی جہدوجہد اور ثابت قدمی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئی جو وقت کی آزمائشوں اور تیز آندھیوں کو تندہی سے برداشت کرتی آرہی ہے۔ جن لوگوں کی جہدوجہد کو کچھ تاریخی مایوس سیکشنز آف سوسائٹی نے جذباتی لڑکوں کی بے عقلی اور وقتی ری ایکشن قرار دیا آج انہی نوجوانوں کی کیمٹمنٹ اور بہادری کے باعث انہیں وہی مایوس افراد تحریک کے سرخیل قرار دے کر کھلم کھلا اپنی ناکامی اعتراف کررہے ہیں۔ اس سلسے میں کچھ عرصے پہلے ایک قبائلی شخصیت جو پہلے تحریک کے دوستوں کو چند جذباتی نوجوان قرار دے رہے تھے وہ آج مجبوراً نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کے آج ہمارے ہاتھوں میں کچھ نہیں اگر کسی کو بات کرنی ہے تو وہ جا کر نوجوانوں سے مذاکرات کرے۔ یہ سب کچھ صرف نہ تھکنے والے سنگتوں کی جہدوجہد اور قربانیوں سے ممکن ہوا ہے۔ انہی قربانیوں کے عوض آج نہ صرف پاکستانی پارلیمنٹ تھرتھر کانپ رہی ہے اور ہر دن نئے آپریشنز کا شوشہ چھوڑ رہی بلکہ بلوچ قوم کی جدوجہد کی بازگشت بیرون ممالک کی ایوانوں میں بھی سنائی دے رہی ہے۔

اسی سلسلے کی کڑی ی حالیہ امریکی سینٹ میں بلوچستان کے حق میں پیش کردہ بل بھی ہے۔ اس بل سے جس طرح پاکستانی ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی اسکی کوئی نذیر نہیں ملتی۔ پاکستانی میڈیا نے جس طرح اس بل کے بعد بلوچستان کے مسئلے کو اپنے پروگرامز میں جگہ دی وہ بھی ماضی میں بلوچستان کے حصہ میں کبھی نہیں آئی۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی میڈیا میں بھی اس بارے میں کچھ تجزیے اور تبصرے دیکھنے کو ملے جو کہ خوش آئند تصور کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اصل چھان بین اس بات کی کرنی چاہیے کہ اس بل کو بلوچ قوم اور عملاً تحریک میں شامل دوستوں نے کیا اہمیت دی اور کیا یہ بل اس اہمیت کا حقدار بھی ہے؟ یقیناً ان سوالات کے جوابات مشکل اور غور طلب بھی ہیں لیکن شاید مایوس کن بھی ثابت ہوں۔ اس آرٹیکل کے ذریعے اپنے خیالات کے اظہار کرنے کا مقصد قطعی طور پر مایوسی پھیلانا اور تنقید برائے تنقید کرنا نہیں بلکہ حقائق کا ادراک کرنا ہے تاکہ جدوجہد میں خام خیالی اور بلاضرورت امید لگانے سے اجتناب کیا جاسکے۔ گوکہ اخباری بیانات اور ٹی وی انٹرویوز کے ذریعے اس بل کی تعریف کرنے میں کوئی عار نہیں لیکن جس طرح سے بلوچ قوم اور جہدکاروں نے اس بل کو عنقریب ملنے والی بلوچ وطن آزادی کی نوید قرار دیا اس سے مستقبل میں جو مایوسی پھیلے گی وہ تحریک کے لیے انتہائی مایوس کن ثابت ہوسکتی ہے۔ ایرک ڈرشمیڈ اپنی کتاب بلڈ آف ریولوشن میں لکھتے ہیں کہ تحریکیں مادی نقصانات سے نہیں بلکہ مایوسی، خستگی اور تھکن سے شکست کا سامنا کرتی ہیں۔ تھکن سے مراد صرف جسمانی تھکن نہیں بلکہ ذہنی تھکاوٹ اور مایوسی پھیلنا بھی ہے۔ مایوسی کے مختلف اشکال میں بلا جواز تنقید، بیکار امیدیں اور اپنی طاقت کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کرنا کہ آخر میں خود کو واقعی حقیقت سے زیادہ طاقتور تصور کرنا شامل ہیں۔ جسکی مثال ہمیں

تاملوں کی جدوجہد سے واضح طور پر ملتی ہے ۔ اس بل کا جائزہ لیا جائے جس سے ہم اس قدر امیدیں وابستہ کر چکے ہیں تو بہت سے حقائق کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔

اس بل کے خالق امریکن سینیٹر ڈانا روہرابا کر جو کہ ریپبلکن پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں کے ماضی کا جائزہ لیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انتہائی منتشر شخصیت کے حامل ہیں۔ ڈانا کی افغانستان اور خطہ سے دلچسپی ۱۹۸۰ کے دہائی سے وابستہ ہے۔ وہ اسّی کے دہائی میں چند افغان مجاہدین کے ہمراہ افغانستان میں داخل ہوئے اور پھر انہی جنگجوں کے ہمراہ سوویت فورسز سے جلال آباد کے مقام پر دہ ماہ تک لڑتے رہے۔ اِس دوران وہ اسامہ بن لادن اور گلبدین حکمتیار سے بھی ملے۔ ڈانا نے افغان جنگجوں کو 'عظیم فریڈم فائٹر' قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ امریکہ کی طرح دنیا سے کمیونزم کی وباء کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس کے بعد ۹۰ کی دہائی میں طالبان کے بڑے حامی رہے اور طالبان کے دورِ حکومت میں افغانستان کا دورہ بھی کیا۔ آج کل ڈانا حامد کرزئی کے سخت مخالف اور افغانستان سے امریکی فوجی انخلا کے حامی تصور کیے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ انہوں نے انڈیا کے سکھوں کیلئے خالستان وطن اور کشمیر کی حقِ خودارادیت کیلئے بھی ماضی میں مختلف اوقات میں بل پیش کیے جو ناکام ہوئے۔ اب ذرا اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کے امریکی کانگریس میں ایک بل کی حیثیت کیا ہوتی ہے اور اسے منظور کرانے میں کن کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

امریکی کانگریس دو ایوانوں پر مشتمل ہے جس میں امریکی ایوانِ نمائندگان (ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو) اور سینٹ ہاؤس شامل ہیں۔ یہ دونوں ایوان ۵۳۵ ممبران پر مشتمل ہیں جس میں ۴۳۵ ایوانِ نمائندگان کے ممبرز اور ۱۰۰ سینٹرز سینٹ میں شامل ہیں۔ کسی بھی بل کو قانون کی شکل دینے کیلئے ان دونوں ایوانوں سے منظور کرانا پڑتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ کس بھی بل کیلئے ۲۱۸ اراکینِ ایوانِ نمائندگان اور ۵۱ سینیٹرز کے ووٹ درکار ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف کمیٹیز سمیت بہت سارے دیگر پارلیمانی کاروائیوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے جو کہ کچھ مواقع میں سو سے زائد طریقوں کو تجاوز کرتے ہیں۔ اس معاملے میں سب سے مشکل وہ بلز ہوتے ہیں جو فارن ریلیشنز سے منسلک ہوں۔ بیشتر بلز جو منظور ہوتے ہیں انہیں وہ پارٹی پیش کرتی ہے جو کہ برسرِ اقتدار ہو۔ اس وقت امریکی حکومت ڈیموکریٹک پارٹی کی ہے جس سے بارک اوباما تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ ڈانا روہرابا کر کا تعلق ریپبلکن پارٹی سے ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بل کو منظور کرانا فی الحقیقت ناممکن ہے۔ اس سے پہلے کہ اس بل کے دوسرے پہلو کا جائزہ لیا جائے یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ یہ بل کیوں پیش کیا گیا۔ میرے خیال میں دو ممکن اسباب کارفرما ہو سکتے ہیں اس بل کے پیچھے اول یہ کہ امریکہ کو واقعتاً بلوچستان میں جاری انسانی حقوق کے پامالیوں پر تشویش ہے اور دوسرا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ نیٹو سپلائی لائن کی بندش کی وجہ سے امریکہ پاکستان کے ساتھ بلوچستان کارڈ کھیل رہا ہو۔ امریکہ کے داغ دار ریکارڈ کو مدِ نظر رکھنے سے پتا چلتا ہے کہ شاید دوسرا سبب زیادہ حقیقت سے نزدیک ہے۔ امریکہ نے جس طرح سے مختلف اوقات میں انسانی حقوق کی مختلف کیسز میں جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے اسکی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

حالیہ عرب اسپرنگ میں بھی امریکی جانبداری کھل کر سامنے آئی جب کچھ ممالک میں امریکہ فوجی طاقت آزمائی کے حق میں تھا اور کچھ ممالک کے جہدوجہد کے بارے میں مکمل طور پر خاموش۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اس بل کے پیچھے امریکہ کی اپنی سیاسی بلیک میلنگ اور مفادات شامل ہیں۔ اسکی مثال ہمیں امریکی نمایندہ وکٹوریہ نولینڈ کی ٹوئٹر بریفنگ سے بھی ملتی ہے کہ جس میں اس نے

بلوچستان میں جاری انسانی حقوق کی پامالیوں کی سخت الفاظ میں مذمت کی ۔واضح رہے ان دنوں پاکستان اور امریکہ کے تعلقات انتہائی خراب تھے ۔ کچھ عرصے بعد جب تعلقات میں بہتری آئی تو انہی نمائندے نے قدرے نرم اور موقعہ شناسانہ انداز میں انسانی حقوق کا ذکر کیا۔ البتہ یہ تک کہہ دیا کہ ہم نے پاکستان کو کہا ہے کہ دہشت گردی اور انسر جنسی کو ختم کرنے میں انسانی حقوق کا خیال رکھا جائے ۔ یہ جملہ خود بہت سی چیزوں پر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ بلکہ اگر ہم مُتشکانہ نظروں سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اقوام متحدہ خود ایک سیاسی اداکار ہے جس کو این جی اوز کی شکل میں مختلف چھوٹے بڑے اداکاروں کی مدد حاصل ہے ۔ انسانی حقوق کا تصور بھی اقوام متحدہ کے قیام کے بعد ممکن ہوا۔ گو کہ انسانی حقوق ڈیکلریشن ۸ دسمبر ۱۹۴۸ کو پیش کیا گیا لیکن اس کے نفاذ میں حد درجہ مشکلات کا سامنا ہے جس کے وجوہات میں سیاست اور فارن ریلیشنز سرِ فہرست ہیں ۔ کیونکہ اقوام متحدہ خود مختلف ممبر ممالک کا مجموعہ ہے اور ہر ملک کے اپنے اپنے سیاسی مفادات اور فارن پالیسی ہوتی ہے ۔ اس کے علاوہ انسانی حقوق کا بذورقوت نفاذ اور ممبر ممالک کی خود مختاری دو متضاد چیزیں ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کے متصادم رہے ہیں ۔ حقیقتاً اقوام متحدہ ایک مخفی آرگنائزشن بن چکا ہے۔

اب ذرا اس بل کے دوسرے پہلو کا جائزہ لیتے ہیں ۔ گو کہ یہ بل ہمیں آزادی نہیں دے گی لیکن اس بل کی وجہ سے بلوچ مسئلہ ایک انٹرنیشنل مسئلہ بن چکا ہے بلکہ اس بل کی وجہ سے ذرائع ابلاغ میں جس قدر بلوچ مسئلہ کا ذکر ہوا وہ خود ایک انتہائی خوش آئند بات ہے۔ شاید اس بل کی غیر موجودگی میں اس مقام تک پہنچنے میں سالوں لگ جاتے ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بل کو صرف اتنی اہمیت دی جائے جتنا یہ مستحق ہے ۔ حد درجہ امیدیں رکھنے سے صرف مایوسی پھیلے گی ۔ قوم عملی جہد و جہد کے بجائے خیالی دنیا میں رہے گی ۔ تحریک میں بہتری کی طرف اقدامات کے بجائے باہر کے مسیحاؤں کا انتظار رہے گا جو کہ کبھی نہیں آئیں گے اور آخر کار تحریک اپنا رتبہ اور حیثیت کھو کر شکست سے دوچار ہو جائے گا ۔ دوسرے کے طاقت سے امیدیں لگائے رکھنے کے بجائے خود کو طاقتور بنانا ہوگا ۔ اگر آج امریکہ پاکستان کے ہاتھوں بلیک میل ہے تو وہ صرف اور صرف پاکستان کی شیطانی اقدامات کی وجہ سے ۔ وہی امریکہ جس نے اپنے معیشت کو خطرے میں ڈال کر طالبان کے خلاف ایک عشرے پر محیط جنگ لڑی آج طالبان کے طاقت کے سامنے مجبور ہو کر مذاکرات کی میز پر جانے پر بضد ہے ۔ اگر دنیا طالبان جیسے غیر انسانی دہشتگردوں کے مطالبات ماننے کو تیار ہے تو وہ سیکولر بلوچ کے جائز مطالبہ کو بھی ضرور مانے گی ۔ لیکن طالبان کی آج کی حیثیت صرف اور صرف طاقت کی وجہ سے ممکن ہوا۔ بلوچ قوم کو بھی اپنے بل بوتے ایک ایسا طاقت بننا ہوگا جسے دنیا چاہتے ہوئے بھی نظر انداز نہ کر سکے ۔ خطے میں کسی بھی منصوبے سے پہلے بلوچ کو اعتماد میں لینا ضروری بن جائے ۔ پھر بلوچستان کی آزادی کے بل بھی پاس ہونگے اور اقوام متحدہ کے امن فورسز بھی مداخلت کریں گے ۔ لیکن ایسی طاقت بننے کیلئے ہمیں میدانِ عمل میں آنا ہوگا ۔ بلوچستان کی جدوجہد کو عملی بنیادوں پر منظّم طریقے سے آگے بڑھانا ہوگا ۔ عملی جہدکاروں کا ہمقدم ہونا پڑے گا نہ کہ پارلیمنٹ میں جا کر اپنی گاڑی پر ایک جھنڈا لگا کر اپنا پیٹ بڑا کرنا ۔

میں پُرخطر آزادی کو پُرامن غلامی پر ترجیح دوں گا ۔

☆ روسو ☆

بلوچستان۔متوسط طبقے کی بغاوت

مہوش احمد ترجمہ : میرین بلوچ

''ریاست انہیں سرپھرے نوجوان سمجھتی ہے جو اقتدار کے بھوکے سرداروں کے خدمت گزار ہیں مگر 20 سال کی عمر کے لگ بھگ اپنے بند کمرے کی فرش پر پاؤں پہ پاؤں رکھے بیٹھے ہوئے بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے چھ کارکن سرکش سے زیادہ مستقل مزاج اور اطاعت گزار سے زیادہ انقلابی نظر آتے ہیں۔''

آزادی کیلئے کی جانے والی بغاوت کے سرگرم ہمدرد کے طور پر وہ ایک نئی قسم کے آزادی کے منظّم جنگجو یا سرمچار ہیں۔اور انکے دعوے کے مطابق ایف سی اور انٹیلی جنس ایجنسیز کی طرف سے ایک نئی قسم کی مار واور پھینکو کی پالیسی کا شکار ہیں۔

یہ چھ نوجوان شہری، تعلیم یافتہ اور متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور علیحدگی پسند بگٹی اور مری سرداروں کے خدمت گزار ماتحت کے بجائے آپس میں برابری کی بنیاد پر مثالی طور پر متحد ہیں۔

''ہم اپنی مانگ آزاد بلوچستان کیلئے متحد ہیں اور ہم نے اپنے مقصد کیلئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ ہمارے پچانوے کارکن پاکستانی اسٹیلشمنٹ کی طرف سے اغواء اور وحشیانہ طریقے سے قتل کیئے گئے ہیں۔ان میں سے زیادہ تر بلوچستان یونیورسٹی جیسے تعلیمی اداروں کے سٹوڈنٹس تھے''۔بی ایس او آزاد کے ایک عہدیدار خالد نے بتایا۔

آن لائن اخبار''بلوچ حال'' جس پر پاکستان میں پابندی عائد کردی گئی ہے، کے ایڈیٹر ملک سراج اکبر اپنی کتاب The Redefined Dimensions of the Baloch "Nationalist Movement کے تعارفی صفحات میں اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بلوچ تحریک کی قیات محض سردار نہیں بلکہ متوسط طبقے کے تعلیم یافتہ نوجوان بھی کررہے ہیں۔

''خواتین اور بچے، سردار اور عام آدمی، ہم سب ایک ساتھ کھڑے ہیں۔ بی ایس آزاد کے ایک اور عہدیدار منصور نے بی ایس او آزاد خواتین ونگ کی جانب سے لکھی گئی ایک پمفلٹ تھمانے سے پہلے کہا۔ ملک اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اتفاق کرتے ہیں کہ خواتین لاپتہ افراد کی بازیابی کی مہم میں سب سے آگے رہی ہیں۔

نیا متوسط طبقہ:

وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے وائس چیئرمین عبدالقدیر بلوچ کہتے ہیں کہ اسلم رئیسانی جیسے بیشتر سردار اسٹیبلشمنٹ کے اتحادی ہیں۔

عبدالقدیر مزید کہتے ہیں کہ مری اور بگٹی کے علاوہ میر عبدالنبی بنگلزئی، ڈاکٹر اللہ نظر اور واحد قمبر جیسے زیادہ تر مقبول رہنماؤں کا تعلق متوسط طبقے سے ہے۔

''ڈاکٹر اللہ نظر تعلیم یافتہ گریجویٹ ہیں، آزادی کے جنگجو اور بلوچ لبریشن آرمی کے کمانڈروں میں سے ایک ہیں (واضح رہے کہ ڈاکٹر اللہ نظر بذات خود بی۔ایل۔اے، بی۔ایل۔ایف یا کسی اور مسلح تنظیم کی کمان کرنے سے انکار کرتے ہیں :مترجم) ۔ بی ایس او آزاد انہیں اپنا قائد سمجھتی ہے۔ وہ بولان میڈیکل

کالج میں میڈیکل کے طالب علم رہے ہیں، جنہوں نے اپنی کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور ہماری تنظیم (بی۔ایس۔او (آزاد) کی داغ بیل ڈالی۔'' خالد نے مزید بتایا۔

ملک مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ گروہ (بلوچ لبریشن آرمی) جس پر سیکیورٹی فورسز پر زیادہ تر حملوں کے الزامات ہیں، کسی بھی سردار کی تنظیم نہیں ہے۔ مری بگٹی سمیت کوئی بھی قوم پرست رہنما بلوچ لبریشن آرمی کی قیادت کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ اگرچہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تنظیم کی سرگرمیوں کی حمایت کرتے ہیں۔

ہیں جو بغاوت کا ایک مضبوط قلعہ ہے۔ خاص طور پر جب بلوچ قوم کی تصویر کشی کی جاتی ہے تو مکران کو سرداری نظام کی عدم موجودگی کے حوالے سے جانا جاتا ہے''۔

Karachi Collective for Social Science Research کے حارث گزدر جن کی بلوچستان کے سماجی ڈھانچے پر گہری نظر ہے، کہتے ہیں ''مکران کے اضلاع کیچ، پنجگور اور گوادر میں قبائلی یا سرداری نظام کی کوئی خاطر خواہ موجودگی نہیں ہے۔ یہ اضلاع نسبتاً شہری ہیں اور یہاں کے لوگ کراچی اور خلیجی ممالک سے

> آزادی کیلئے کی جانے والی بغاوت کے سرگرم ہمدرد کے طور پر وہ ایک نئی قسم کے آزادی کے منظّم جنگجو یا سرمچار ہیں۔ اور انکے دعوے کے مطابق ایف سی اور انٹیلی جنس ایجنسیز کی طرف سے ایک نئی قسم کی مار اور پھینکو کی پالیسی کا شکار ہیں۔

ملک کے مطابق متوسط طبقے کے غلبے کی وجہ سے جنگجو بندوق سے بڑھ کر ریاستی غلبے کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ یہ نئے جنگجو فیس بک، ٹوئٹر اور یوٹیوب کو اپنے خیالات کو اجاگر کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

اسی لیئے حکمران اسٹیبلشمنٹ بھی بلوچ میڈیا کے ساتھ برابر کی جنگ میں مصروف ہے جس نے ملک کی اپنی ''بلوچ حال'' سمیت متعدد بلوچ ویب سائٹس کو بلاک کر دیا ہے۔

مزاحمت کا جغرافیہ:

قدیر اس بات کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قوم پرست تحریک میں تبدیلی ان علاقوں کی اس میں تیزی سے شمولیت سے آئی ہے جہاں نہ قبائلی اثر ورسوخ ہے اور نہ ہی قبائلی سرداروں کا غلبہ ہے۔

قدیر کہتے ہیں ''ہمارے بہت سے رہنما مکران سے تعلق رکھتے منسلک ہیں۔ ان علاقوں میں کاروائیوں کی موجودگی سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں سردار بغاوت کی قیادت نہیں کر رہے ہیں۔

سرداروں کی اہمیت شاید دوسرے علاقوں میں ہو لیکن ان علاقوں میں مزاحمت کی موجودگی یا ایف۔سی کی کاروائیاں نظر نہیں آتیں جہاں سرداروں کا غلبہ ہے۔ ہمیں ان علاقوں سے دوسرے اقسام کی تشدد کی خبریں ضرور موصول ہوتی ہیں جیسا کہ اغواء وغیرہ مگر ان کا مزاحمت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

کوئٹہ میں ایف۔سی کے ایک ذرائع نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر تصدیق کی کہ ایف۔سی مکران کے بارے میں خاص طور پر فکرمند ہے اور اپنے 50000 میں سے بیشتر سپاہی بلوچستان کے جنوبی علاقوں پنجگور، تربت، عام طور پر ضلع کیچ میں تعینات کیئے ہیں۔ یہی وہ علاقے ہیں جہاں یہ گروہ کام کرتے ہیں اور

یہی وہ علاقے ہیں جہاں ہمارے بیشتر لڑکے موجود ہیں۔ ذرائع نے بتایا۔

قدیر کہتے ہیں ''حتیٰ کہ کوئٹہ کے جنوبی علاقوں، جیسا کہ مستونگ اور سبی میں بھی سرداری اثر بے حد کم ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ملک نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علیحدگی پسند سردار اپنا مقام مقصد سے کمٹمنٹ کی وجہ سے برقرار رکھ سکے ہیں۔ نوابزادہ براہمدغ بگٹی نے ایک مرتبہ ملک سے (اپنے انٹرویو میں) کہا تھا کہ اگر اس نے اسلام آباد سے کوئی سمجھوتہ کیا تو اسکے اپنے حامی اسے ماردیں گے۔

بند کمرے کی طرف دوبارہ آتے ہوئے، منصور، خالد اور انکے بی۔ایس۔او (آزاد) کے چار اور ساتھی ہماری ملاقات کا اختتام ایف۔سی کے ساتھ اپنے توتو، میں میں کی کہانیوں سے کرتے ہیں۔

خالد کے ایک دوست واحد کہتے ہیں ''وہ میرے کمرے میں دو مرتبہ گھس آئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ نیم فوجی دستوں کی تعلیمی اداروں میں موجودگی کی کیا ضرورت ہے۔ یا کہ وہاں جہاں ہم مطالعہ کررہے ہوتے ہیں۔؟

خالد اپنی بات کا اختتام ان الفاظ سے کرتے ہیں'' مجھے کلمہ یا دعائے قنوت پڑھنے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ میرے خیال میں انکے سینیئر افسران نے انہیں بتایا ہے کہ ہم غیر ملکی پیسوں پر پلنے والے باغی ہیں جو سرداروں کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ ہم ایک ریاست کے ساتھ بہت رہ چکے ہیں جو ہمیں دیتا تو کچھ نہیں بس ہمارے بہن، بھائیوں کو قتل کرتا ہے۔

قدیر کہتے ہیں ''ہمیں حکومت کی طرف سے بنائی گئی نام نہاد اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی سے کوئی امید نہیں ہے۔ ہمارے بیٹوں اور بیٹیوں کو اغواء کرنا بند کرو تب ہم بات کرسکتے ہیں۔ تب تک یہ حکومت کی جانب سے کیئے گئے بے معنی اقدامات کی طرح بس ایک اور کمیٹی ہی ہے۔

اگر تم بندوق اٹھائو گے تو اسے کتاب کی رہبری ضروری ہے۔ اگر کتاب کی رہبری نہیں ہو گی تو تم میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔

☆بابا خیر بخش مری☆

کاؤنٹر انسرجنسی اور ریاستی ادارے

دوستین بلوچ

انسان جب بھی اپنے حال کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا ہے تو یقیناً ماضی کو دیکھتا ہے اور اسی ماضی میں اپنے ہم مشابہ لوگوں کو بھی دیکھنے کی کوشش کرتا ہے ویسے ہی کسی بھی تحریک پر تبصرہ کرنے کی بات آتی ہے تو دنیا کے گزرے ہوئے تحاریک کی یادیں اُبھر کر سامنے آئی ہی جاتی ہیں اور بالخصوص جب آپ کسی قوم پر کسی دوسرے قوم یا ملک کے قبضے کو قائم رکھنے کی پالیسیوں کو دیکھتے ہوں تو زیادہ تر ایک ہی جیسی حکمت عملیاں نظر آتی ہیں مثلاً دیسی باشندوں (زمین کے حقیقی وارثوں) کو ان کی شناخت سے بیگانہ کرنا، ان کو احساسِ کمتری میں مبتلا کرنا، اُن پر تشدّد کر کے خاموش کرنے کی کوشش کے ساتھ یہ جتانا کہ قبضہ گیر اُن کا حقیقی خیر خواہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ سارے حربے منظّم اداروں کے زریعے ہی بہترین انداز میں بروئے کار لائے جاسکتے ہیں اسی لیئے قبضہ گیر ایسے ادارے تشکیل دیتا ہے جو کہ اُس کے روزمرہ کے امور کو چلانے کے ساتھ ساتھ مقبوضہ عوام پر تسلط قائم رکھنے میں بھی کارگر ثابت ہوں۔

پہلے آقا کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ غلام قوم کو اپنی غلامی کا احساس ہی نہ ہو تا کہ وہ آرام سے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر سکے۔ مگر جب غلام قوم ناانصافیوں، عدم مساوات کو دیکھ کر بیداری کی طرف قدم بڑھانے لگتا ہے تو قابض کو اپنی بنائی ہوئی محل کی اینٹوں میں دراڑیں پڑنے کا خطرہ دامن گیر ہو جاتا ہے تو وہ اُس بیداری کو ختم کرنے کیلئے کمر کس لیتا ہے لیکن زیادہ تر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ تب تک قوم کی بیداری تحریکِ آزادی کو جنم دے چکی ہوتی ہے۔ اب قابض تحریک کو ختم کرنے کے تمام امکانات کا اچھی طرح سے جائزہ لیتا ہے اور اُسے ختم کرنے کیلئے روز بروز نئی حکمت عملیاں ترتیب دیتا ہے، اسی طرح پاکستان بھی بلوچ قومی تحریک آزادی کو دبانے کی خاطر مختلف پالیسیاں بنا چکی ہے اور تا حال بنانے میں مصروف عمل ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ کچھ مہینے پہلے پاکستان کے اُس وقت کے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''بلوچستان کے مسلے کو حل کرنے کیلئے ہم (پاکستان) نے 3D Strategy اپنائی ہوئی ہے'' ۔ 3D strategy کا مطلب تو یہ ہے کہ پہلے Dialogue پھر Development اسکے بعد Detterence۔ اس حکمت عملی سے پاکستان کی خواہش یہ تھی کہ ہم بات چیت کے زریعے کچھ لین دین پر بلوچوں کو آمادہ کر کے اُن کو خاموش کر دیں اور اگر وہ پھر بھی نہیں مانیں تو روڈ، بجلی، ہسپتال اور تعلیمی اداروں کا ریت کا بنا ہوا ڈھانچہ بنا کر ہی ان کا منہ بند کر دیں لیکن اگر پھر بھی یہ (بلوچ) اپنی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے پر بضد رہے تو تشدّد ہی سے ان کو گھٹنے ٹھیکنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ بلوچ قوم کی خوش قسمتی اور آزادی کے متوالوں کی انتھک جدوجہد کی بدولت پاکستان کی یہ ساری حکمت عملیاں ناکام ہوگئی، تو اِس (پاکستان) نے 3D strategy کو مرحلہ وار کے بجائے تینوں D's پر بیک وقت عمل کرنا شروع کر دیا اور اُس کی جھلکیاں ہم نے دیکھ لیئے یعنی ایک طرف مزاکرات کا واویلہ کیا گیا تو دوسری طرف NFC award اور آغازِ حقوق بلوچستان جیسے پیکج سامنے لائے گئے اور اس کو بلوچ قوم ایک بڑی کامیابی دکھانے کیلئے پاکستانی میڈیا نے بھرپور کردار ادا کیا، اس کے علاوہ پاکستان نے اسی پیکج کے مسودے کے تقریباً 50000 ہزار کتابچے بلوچی، براہوئی اور اردو میں شائع کیئے تا کہ بلوچ عوام کو بہکایا جاسکے لیکن ان سب

کے ساتھ تیسرے D یعنی تشدّد پر بھی عمل جاری رہا جس میں اغوانما گرفتاریاں، ٹارچرسلوں میں انسانیت سوز تشدّد، مسخ شدہ لاشوں سمیت بلوچ قومی آجوئی کے جہدکاروں کو Target Killing کا نشانہ بنانا۔ لیکن بلوچ قومی آزادی کیلئے برسرِ پیکار سیاسی اور مزاحمتی تنظیموں نے پاکستان اور اُسکے گماشتوں کے ارمانوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا ہے لیکن بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی کیونکہ ابھی تک قبضہ ختم نہیں ہوا۔۔۔ پاکستان کے تمام کے تمام ادارے اپنے باہمی اختلافات کے باوجود اپنے اپنے مدار میں رہ کر اور اُس سے تجاوز کر کے بلوچ قومی تحریک کو کاؤنٹر کرنے کی ہرممکن کوششوں میں تاحال مصروف ہیں۔ کسی بھی ریاست کے تین بنیادی ستون ہوا کرتے تھے جن میں عدلیہ، مقنّنہ اور انتظامیہ شامل تھے لیکن جدید دور میں میڈیا کو بھی ایک بنیادی ستون مانا جاتا ہے۔ میڈیا کا کردار بحیثیتِ ایک پاکستانی ادارہ بلوچ تحریک کو کاؤنٹر کرنے کیلئے بھی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ آج کے دور مین کوئی ذی شعور انسان میڈیا کے اثرات سے انکاری نہیں ہوسکتا، پاکستانی میڈیا جو شروع دن سے ہی بلوچوں کو پاکستانی بنانے اور اُن کی اپنی شناخت کو ختم کرنے پر تلا ہوا ہے اور ساتھ ہی یہ جتانے کی کوششوں میں مصروف ہے کہ پاکستان بلوچوں کا دشمن نہیں بلکہ کچھ ادارے ہیں باقی پاکستان تو بلوچ عوام کے دکھوں میں برابر کی شریک ہے، میڈیا کی اس پالیسی کا اندازہ چیرمین غلام محمد، لالہ منیر اور شیر محمد کی شہادت کے بعد بلوچستان پر توجہ مرکوز کر کے بلوچ عوام کو میڈیا میں لانے سے ہی واضح ہوگیا جہاں میڈیا یہ باور کرانے کی کوشش میں تھی کہ پورا پاکستان بلوچوں کے خلاف نہیں ہے تاکہ بلوچ قوم کے دل میں پاکستان کے خلاف جو نفرت تھی اس کی شدّت کو کم کرسکیں، یہی میڈیا پاکستانی گماشتوں کو بلوچ قومی رہنما ظاہر کرنے میں بھی پیش پیش ہے۔ پارلیمنٹ ویسے بھی رحمان ملک کے ڈنڈے کی دھمکی سے لیکر مزاکرات کی دعوتوں تک سب کچھ آزمانے میں لگی ہوئی ہے اور کچھ نام نہاد بلوچ اور حقیقی پاکستانی پارلیمنٹرین بھی اسی ادارے میں جانے کیلئے اُتاولے ہورہے ہیں تاکہ ووٹ سے نوٹ کما کر بلوچ آزادی کی تحریک کو کمزور کرنے میں اپنا کردار ادا کرسکیں، دوسری طرف پاکستان کا ایک اور ادارہ یعنی عدلیہ (صرف نام ہی عدلیہ ہے عدل سے تو سرے سے واقف ہی نہیں) بھی میدان میں آگئی ہے جس سے پاکستانی میڈیا اور گماشتوں نے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں کہ اب عدلیہ ہی عالمی دنیا اور بلوچوں کو ورغلانے میں موثر ثابت ہوگی اور اسی کے ذریعے پاکستان بلوچ قوم اور عالمی دنیا کو یہ دکھانے کی کوششوں میں مصروف ہے کہ بلوچوں کی دشمنی پاکستانی ریاست سے نہیں ہے بلکہ اُسکے کچھ اداروں سے ہے اور اس مشکل وقت میں بلوچ تنہا نہیں بلکہ پاکستان کا ایک اہم ادارہ عدلیہ بھی اُن کے شانہ بشانہ کھڑا ہے لیکن بلوچ عوام نے پاکستانی عدلیہ کی بکواس 2010 میں بھی سنی تھی جس میں جسٹس جاوید اقبال نے کہا تھا کہ ''اگر لاپتہ افراد کو منظر عام پر نہیں لایا گیا تو ایف سی والوں کو جیل جانا ہوگا'' اور 2012 میں اسی جسٹس جاوید اقبال کے اس بکواس کو بھی سنا کہ ''غیر ملکی ادارے لوگوں کو اغوا کرنے میں ملوث ہیں'' ۔ پاکستانی عدلیہ عالمی دنیا کے سامنے اپنے اداروں کو بیگناہ ثابت کرنے کے لیئے ڈھونگ رچا رہی ہے اور کچھ نہیں۔

المختصر یہ کہ پاکستانی تمام کے تمام ادارے بلوچ قومی تحریک کو دبانے میں یکساں شریک ہیں۔ لیکن پاکستانی پارلیمنٹ کے دلدادہ اور پاکستان کے زرخرید غلام کسی ایک ادارے یا ایک صوبے کو موردالزام ٹھرانے کی کوشش کررہے ہیں تاکہ اصل مسلے سے توجہ ہٹایا جائے۔ آج بلوچ قومی جہد پاکستان کے کسی ایک ادارے یا ایک صوبے کے خلاف نہیں بلکہ پاکستانی قبضہ گیریت کے خلاف ہے اور اسی کے خاتمے تک بلوچوں کو اپنی جدوجہد جاری رکھنی ہوگی۔

شہید ناصر ڈگارزئی کے کچھ یادیں کچھ باتیں

میر دادیں بلوچ

اس تحریر کو لکھنے سے پہلے میں اپنی کچھ کوتاہیوں اور کمزوریوں کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں ۔ وہ کوتاہیاں جو کسی کو شاید خاص نہ لگیں لیکن میں انہیں ضرور حقارت کی نظر سے دیکھوں گا ۔ وہ یہ کہ میں آج جس نوجوان کے بارے میں لکھ رہا ہوں آج سے کم از کم ایک سال پہلے مجھے لکھنا تھا ۔ جو میں اپنی کچھ کمزوریوں اور فضول وقت گزاری کی وجہ سے نہ لکھ سکا (جواب میں ایک سال بعد لکھ کر کچھ پشیمانی سا محسوس کر رہا ہوں) کہ آخر کیوں جو آج کے بعد شاید مجھے ستائے ، یہی کیوں ؟

لیکن پھر بھی میں یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دیتا رہوں گا کہ میں اپنی سرزمین کے شہیدوں کو قطعی نہیں بھول سکتا ۔ اور نہ بھول سکنے کی مجھ میں ہمت ہوگی اس لیئے کہ شاید کبھی کبھی ان کے نام سنوں گا یا کہیں ان کی تصویریں دیکھ لوں گا تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جی نہیں میں ان کو بھول کر بھی کبھی نہ بھول پاؤں گا ۔ آج جس نوجوان کی زندگی پر میں جو مختصر سا روشنی ڈھالنے والا ہوں وہ میرے اتنے شاید قریب نہ تھا جتنا وہ اپنے فکر اور جذبے سے ہوگا ۔ وہ نوجوان جو خاران اور پنجگور کی گلیوں ، بازاروں اور عام چوراہوں پر اپنے 8 سے 10 دوستوں کے ساتھ گھومتا پھرتا ، جو سب سے نمایاں اور الگ تھلگ تھا ۔ جس کے لمبے گھنے بال ، سفید دانت ، کالی آنکھیں (جو کسی منزل کی تلاش میں گھومتی تھیں) ، چھوڑا سینہ ، اونچی ناک اور زیب تن بلوچی قمیص اور کندھے پر کبھی سیاہ اور کبھی سفید بلوچی چادر رکھے ہوئے تھے ۔ معاف کیجیئے میں اپنے خیالوں میں اتنا کھو گیا کہ یہ بھی بھول گیا کہ مجھے اس نوجوان کی یاد کس طرح آئی جو میں نے جھٹ سے قلم اٹھائی اور لکھنا شروع کر دیا ۔ میں آپ کو بتاتا چلوں کہ اک دن ''ماہنامہ سنگر'' میرے ہاتھ آیا جو جولائی 2012 کا تھا اور جس کے آخری صفحے پر میں نے اس نوجوان شہید ناصر ڈگارزئی بلوچ کی تصویر دیکھی اور دیکھتا رہ گیا ۔ میرے عقل و وقوف میں کچھ نئے اور تازہ خیالات نے جنم لیا ۔ ۔

میں بذات خود شہید ناصر سے دسمبر 2008 میں ملا جو مجھے پتہ بھی نہیں تھا کہ میں کس سے مل رہا ہوں (شاید اسے بھی نہیں) ۔ ملاقات اچانک ایک چوراہے پر ہوئی ، سلام دعا کے بعد دونوں چل دیئے ۔ وہ اپنی ڈگر میں اپنے راستے ۔ دن ڈھلتے گئے ، وقت گزرتا گیا اور میں اس نوجوان سے ایسے ملا جیسے روزانہ لگ بھگ 5 سے 10 آدمیوں ملتا ہوں اور سلام کرتا ہوں اور ملا بھی ایسے کہ اس سے نہیں ، میں ملا اپنے دوست سے ۔ شہید ناصر اسکے ہمراہ تھا لیکن شاید شہید ناصر کی اخلاق اور دوستی بھرے انداز سے اس کے چہرے کو میرے آنکھوں نے ذہن میں اتار لیا اور پھر کبھی نہیں بھولا ۔ شہر میں اس نوجوان کے حوالے سے بہت چہ مگوئیاں بھی سننے کو ملیں مثلاً چور ، ڈاکو ، رہزن ، اسمگلر اور بہت کچھ ۔ لیکن میرا ذہن ان چیزوں کو قبول کرنے سے قاصر تھا (جو بعد میں شہید ناصر کے چھوٹے بھائی شہید ماجد ڈگارزئی کے بارے میں سننے کو بھی ملے) لیکن کرتا بھی تو کیا ، ہر کسی کیا سمجھا پاتا کیونکہ میں بھی شہید ناصر کے بارے میں جانتا نہ تھا اور بلوچی بتل جو میرے ذہن کی زینت بنی ہوئی تھی کہ ''کورءِ دپ دارگ

بیت بلے شہرِ دپ دارگ نہ بیت'' اور آج تک اس شہر خاموشاں کے فرزندوں کو قصور وار ٹھراتا ہوں جنہوں نے نہ جانے شہید ناصر ڈگارزئی کے بارے میں کیا کیا کہا ہوگا (واللہ و عالم)۔۔۔؟

میں اپنی بات کرتا چلوں کہ میری دوسری ملاقات بھی شہید ناصر کے ساتھ کچھ انجانا اور دوستانہ طور پر ہوا جہاں میں نے شہید ناصر کو نزدیکی سے جاننے کی کوشش کی لیکن اس بار بھی وہی کچھ ملا جو پہلے کے اندازے کے مطابق اور مطمئن کن تھا لیکن مجھے لوگوں کی باتیں یکسر جھوٹ اور خیالی لگیں۔ مجھے اس نوجوان میں کچھ الگ دھکنے لگا۔شہید ناصر ڈ کے علاوہ میری جان پہچان ایک اور نوجوان شہید طارق کریم بلوچ سے تھی، وہ بھی اسی لہجے کا نوجوان تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ایک ہی استاد کے شاگرد ہوں، دونوں میں یکساں سمجھداری، بردباری، مستقل مزاجی اور نرم لہجہ جوان کا پہچان بنا ہوا تھا لیکن شہید طارق کریم سے میں اپنے آپ کو اتنا نزدیک نہ کر پایا۔شہید ناصر سے میری تیسری اور زندگی کی آخری ملاقات چند مہینوں بعد لگ بھگ جولائی 2010 میں ہوئی جو شدید گرمی کا موسم تھا اور اس آخری ملاقات میں اس سے بالکل اور یکسر اکیلا ملا۔ مجھے شہید ناصر کو بہت نزدیکی سے جاننے کا موقع ملا۔اس ملاقات میں ہم نے دو بدو گفتگو کا آغاز کیا جس میں شہید ناصر نے اپنے بارے میں مجھے بتایا جو سوال میرے ذہن میں کانٹے کی طرح چُبھ رہے تھے جہاں میں نے شہید ناصر سے سوال کیا کہ اس شہر کے لوگ تمہیں چور، ڈاکو کے نام سے جانتے ہیں۔شہید ناصر جھٹ سے ہنسنے لگا اور بولا تو کیا سب کو بتا دوں کہ میں کون ہوں اور کیا کرتا ہوں ۔۔؟ میں بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا اور بولا کہ اس علاقے میں جتنی چوریاں ہوئی ہیں مقامی پولیس نے تمہارے کھاتے میں ڈالی ہیں۔خوامخواہ پکڑ کر بدنامی کے ساتھ (لاٹھی تو ویسے بھی پڑے گی تمہارے جسم پر) اور کچھ مہینوں کیلئے اندر بھی کرے گا۔ اس بات پر اس نے کہا کہ مجھے سب پتہ ہے، پولیس کو جو کرنا ہے کرے لیکن میرا ضمیر مجھے کبھی ملامت نہیں کرے گا کہ میں ڈاکو نہیں، چور نہیں، نہ ہی کسی کو نقصان پہنچایا ہے اور دنیا نے کس کو نہیں کہا ہے۔اپنی بات کو مزید آگے جاری رکھتے ہوئے بولا کہ اسی پولیس نے ڈاکٹر اللہ نظر بلوچ کو بھی واشنگ مشین کے چوری کے الزام میں اندر کیا تھا لیکن آج قوم کے سامنے حقیقت عیاں ہے کل مجھے بھی دنیا جان لے گی اور اپنے کیے باتوں پر پریشان ہوگی اور بالکل اسی طرح کی بات میں نے شہید طارق کریم سے سنی جس نے بحث کے دوران یہی الفاظ دہرائے۔۔تو میں نے شہید ناصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ چیزیں تمہارے مشن میں رکاوٹ ہوں گی اور تمہارے آڑے آئیں گی اور تمہیں پریشانی بھی اٹھانی پڑے گی (ایسی باتیں میں نے اسی لیئے کہیں کہ شاید میں اس کی طرح نہیں اپنی طرح حالات کا جائزہ لے رہا تھا)۔اور جیسے شہید ناصر پر میری باتوں کا کوئی اثر ہو ہی نہیں رہا تھا۔اس نے ان باتوں کا جواب جیسے مذاق میں دیتے ہوئے کہا ''اس سے بھی بڑی رکاوٹیں ہوں گی ہمارے سامنے تو کیا ہم حالات سے ڈر جائیں۔۔؟ ہم اپنے مقصد کو بھول جائیں۔؟ جو ظلم ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اسے فراموش کر دیں۔۔۔؟۔ ہرگز نہیں (مسکراتے ہوئے۔شاید میرا دل رکھنے کیلئے)۔لیکن میں بھی کہاں چُپ رہنے والا تھا اور بس موقع سے فائدہ اٹھا کر بولتا گیا، پوچھتا گیا۔غالباً ہم دو گھنٹے سے زیادہ تاریکیوں میں بھیٹے رہے، دونوں اتنے اپنی باتوں میں مدہوش رہے جیسے پانچ منٹ پہلے بیٹے ہوں۔اتنے میں شہید ناصر کا ایک دوست ہمارے قریب آیا اور آواز دی کہ ناصر چلو ابھی چلنا ہے اور

ہماری باتیں اسی موقع پر آ کر رُک گئیں لیکن وعدہ کیا کہ کبھی ضرور ملیں گے اور ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔

23 جنوری 2011 جس دن میں دوستوں کے ساتھ خوشگوار موڈ میں باتوں میں مصروف تھا کہ میرے لیئے ایک ایس ایم ایس نیوز آیا جس میں یوں لکھا تھا کہ ''پنجگور: ناصر ڈگارزئی کے گھر پر ناپاک ایف سی اور خفیہ اداروں کے اہلکاروں کا چھاپہ جس میں دو بدو فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ ناصر ڈگارزئی اور اسکے تین دوستوں کو گھر سے اٹھا کر لے گئے''۔ اس ایس ایم ایس کا پڑھنا تھا کہ میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور میرے دوست بھی غم کے عالم میں ڈوب گئے جو ایک Shocking News تھا۔

دو دن بعد اسی طرح صبح جب میں نیند سے جاگا تو موبائل پر بہت سارے ایس ایم ایس نیوز آئے تھے جنہیں میں پڑھنا شروع کیا کہ کل رات پنجگور کے علاقے گُوارگو سے پولیس کو ناصر ڈگارزئی شدید زخمی حالت میں اور اسکا ساتھی عابد رسول بخش مردہ (شہید) حالت میں ملے جنہیں سول ہسپتال پنجگور لے جایا گیا ہے اور ناصر ڈگارزئی کو +B خون کی اشد ضرورت ہے۔ اسکے ساتھ ہی میرے دل میں ایک انجانی ارمان کے ساتھ ایک خوشی کی لہر بھی دوڑنے لگی۔ ارمان اس بات کا تھا کہ ناصر کا ایک جانباز ساتھی اور سرمچار ہمیں چھوڑ کر چلا گیا اور دو بلوچ قومی فرزندان درندوں کی چنگل میں ہیں۔ خوشی اس بات کی تھی کہ اب اس سرمچار (ناصر) سے ملاقات کا موقع ملے گا اور انتظار کرنے لگا کہ کب ناصر کی طبیعت ٹھیک ہوگی اور ایک بار پھر باتیں کرسکوں گا۔

26 مئی 2011 کے دن کی ڈھلتی ہوئی سورج کے ساتھ مجھے بذریعہ ایس ایم ایس ایک پیغام ملا کہ خاران ٹو کوئٹہ آتے ہوئے الامارات بس سے ایف سی اور سادہ کپڑوں میں ملبوس خفیہ اداروں کے اہلکاروں نے ایک زخمی شخص اور اسکے ساتھ ایک اور فرد کو لکھ پاس کے قریب سے اغواء کر کے اپنے ساتھ لے گئے لیکن نام واضح نہیں تھا۔ ساری رات میں اور میرے دوست اسکی تحقیقات کرنے میں مصروف عمل رہے اور صبح کو پتہ چلا کہ وہ زخمی شخص ناصر ڈگارزئی تھا جسے اسکے بڑے بھائی کیساتھ کل اغواء کیا گیا تھا اور اغواء کے اگلے دن شہید ناصر کے جو دو ساتھی محراب اور عابد سلیم جنہیں ناصر کے گھر سے اغواء کیا گیا تھا کی مسخ شدہ لاشیں مرگاپ تربت سے برآمد ہوئی۔ دو مہینے انتظار کے بعد یعنی 16 جولائی 2011 کو ناصر ڈگارزئی کی لاش دو اور اسیر بلوچ فرزندوں کے ساتھ شال کے علاقے جبل نور سے برآمد ہوئیں۔ 17 جولائی 2011 ناصر ڈگارزئی کی جسد خاکی اسکے آبائی علاقے خاران میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں بلوچستان کے مقدس بیرک تلے سپرد گلزمین کیا گیا۔

> **شہید ناصر ڈ کے علاوہ میری جان پہچان ایک اور نوجوان شہید طارق کریم بلوچ سے تھی، وہ بھی اسی لہجے کا نوجوان تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ایک ہی استاد کے شاگرد ہوں۔**

> **غلامی ایک ایسا ادارہ ہے جو انسان کو بندر میں تبدیل کر دیتا ہے۔۔۔۔(رالف ہیمرسن)**

دہلی کی جنگ اور شیر زال بانڑی

بیرک بلوچ

دنیا کی تاریخ میں صرف کچھ ہی ایسی قومیں وجود رکھتی ہیں جن کی جنگی داستانیں انہیں تاحیات زندہ رکھتی ہیں۔ یہ وہ خوش نصیب قومیں ہیں جن کے فرزندوں نے جنگی میدانوں میں نازک حالات کے سامنے موت کو زندگی ترجیح دے کر قومی شناخت کو تاریخ کی کتابوں میں ہمیشہ کیلئے درج کروایا۔ دنیا میں بہت سی ایسی قومیں وجود رکھتی ہیں جنہوں نے اپنی آزاد ریاست اور قومی بقاء کو زندہ رکھنے کی خاطر اپنے وطن کی سرحدوں کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیا۔ لیکن تاریخ کی کتابوں میں بہت ہی کم ایسے واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ جہاں ایک قوم کی منظّم راجی فوج کسی دوسرے کی حکومت کو دوبارہ لانے کیلئے میدان جنگ میں اترے جن کا انکی اپنی سرزمین سے کوئی وابستگی نہ ہو۔ شاید تاریخ کی کتابوں میں لکھے گئے خوش نصیب قوموں سے ایک بلوچ ہو۔ جس کی پہچان اسکی لکھی ہوئی تاریخ ہے جو اس بات کی لازماً گواہی دیتی ہے کہ بلوچ قوم کے فرزندوں نے قومی روایات اور غیرت کو زندہ رکھنے کیلئے اپنی ہر ایک چیز کو قربان کرنے کیلئے تیار رہے۔ ممکن ہوگا کہ آج کے اکیسویں صدی کے بہت سے لوگ بلوچوں کی ان جنگی داستانوں کو غلط قرار دیں اور رندو لاشار کی جنگ کو انکی بے وقوفی یا نادانی تصور کریں لیکن ہم اس حقیقت پر بھی پردہ نہیں ڈال سکتے کہ آج کے ننگ و ناموس اور غیرت کی بات کرنے والوں کو نصیحت و تربیت تاریخ کی جنگی داستانوں نے فراہم کی۔ اور جب بھی ہم کوئی ایسی بات کرتے ہیں تو اسے ثابت کرنے کیلئے ہمیں تاریخ کے ایسے واقعات کا حوالہ دینا پڑتا ہے۔ عام طور پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ عورتوں کے مقابلے میں مرد زیادہ طاقتور اور بہادر ہوتے ہیں لیکن بلوچ تاریخ میں ہمیں کچھ ایسے واقعات ملتے ہیں جہاں عورتوں نے میدان جنگ میں مردوں کی بغاوت کو دیکھ کر خود جنگی کھیل کا حصہ بن کر تاریخ رقم کی۔ اس قسم کا منظر ہمیں دہلی کی جنگ میں ملتا ہے جہاں ایک نڈر عورت جنگی فوج کو اپنے کمان میں لے کر سلطنت کا تختہ الٹ دیتی ہے۔

رندو لاشار کی تیس سالہ جنگ کے بعد میر چاکر رند نے ملتان میں پناہ لی تھی جہاں فقیر شاد کے مطابق ہمایوں نے پنجاب کے علاقے ساہیوال میں اسکے لیئے جگہ مختص تھی۔ شیر شاہ سوری نے 40-1539 میں قنوج کی جنگ میں ہمایوں کو شکست سے دوچار کر دیا جہاں سے ہمایون بھاگ کر بلوچ علاقوں میں داخل ہوا۔ جنگ کی تاریخ کے حوالے سے مختلف قلم کار مختلف رائے دیتے ہیں۔ گل خان نصیر اور فقیر شاد کے مطابق یہ جنگ 17 مئی 1540 کو ہوئی۔ جبکہ شاہ محمد مری اور سردار خان گیشکوری اسے 1539 لکھتے ہیں۔

جنگ ہارے ہمایون اپنی جان بچا کر دہلی سے نکل گیا اور جب وہ اپنی شکست خوردہ فوج کے ساتھ سرگودھا کے علاقے میں داخل ہوا تو اس وقت اسے خوراک کی قلت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ بے بسی کی حالت میں تھا۔ اس نے بخشو بلوچ جو کہ میر چاکر رند کا قریبی ساتھی تھا سے مدد طلب کی۔ ہمایون کو اس حالت میں دیکھ کر بخشو بلوچ نے اسکی مدد کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک سو کشتیوں کو آٹے سے بھر کر ہمایوں کو دیا جس سے خوش ہو کر ہمایون کی بہن گل بدن بیگم نے بخشو بلوچ کو نیک دعائیں دیں۔ ”اللہ بخشو بلوچ پر اپنی رحمتیں نازل کرے کہ جنہوں نے مصیبت کی مشکل گھڑی میں بادشاہ کی مدد کی“۔ چونکہ چاکر ہمایون کا حمایتی تھا اسی لیئے شیر شاہ سوری نے چاکر کو ساہیوال کے علاقے سے نکال دیا تو چاکر نے بلوچستان کے علاقے کوہستان مری میں پناہ ڈالی۔ دوسری جانب بادشاہ ہمایون اپنی شکست

خوردہ فوج کو دوبارہ منظم کر رہا تھا اور اس حوالے سے انہوں نے شیر شاہ سوری کی سلطنت کو گرانے کیلئے بلوچوں سے مدد طلب کی جس پر چاکر رند نے انہیں یقین دلایا کہ بلوچ فوج جنگ میں انکے ساتھ رہے گی۔ اس مقصد کیلئے چالیس ہزار بلوچ میر شاہ درد کی قیادت میں دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ رندوں کے علاوہ دوسرے قبیلوں سے بھی بلوچ اس قافلے میں شامل تھے۔ دونوں طرف کی فوجیں اپنی پوزیشنیں لیئے جنگ کیلئے تیار تھے اور 22 جون 1555 کو سرہند کے مقام پر اس خونی جنگ کی ابتداء ہوئی۔

اس جنگ میں میر شاہ درد اپنے 18 بیٹوں کے ساتھ حصہ لے رہا تھا۔ جنگ کو شروع ہوئے کچھ ہی لمحہ ہوا تھا کہ بلوچ لشکر کا ایک حصہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا جو کہ بلوچ روایات کے بالکل خلاف تھا۔ میر چاکر رند کی بہن بانڑی بلوچ بھی اس لشکر میں شامل تھی اور بیٹھ کر جنگ کا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ جب اس نے بھاگتے ہوئے بلوچوں کو دیکھا تو اسے بہت اسے یہ بات بہت ناگوار گزری۔ چونکہ بلوچ عورتوں نے تاریخ کے ہر موڑ پر راجی ننگ و ناموس کو بچانے کی خاطر مردوں کو جنگ کیلئے اکسایا ہے اور ضرورت پڑنے پر خود بھی جنگ میں شامل ہوئی ہیں، یہاں پر بھی بانڑی بلوچ شکست خوردہ لشکر کی کمان اپنے ہاتھوں میں لے کر آگے بڑھی۔

میر شاہ درد اپنے نظم میں بانڑی کے حوالے سے لکھتا ہے۔

جمپ جتامائی بانڑی شیہک
دستے گوں بائیکاں شُت اِنت برزا
جت وتی سرزاناں امیریناں
پُرشتگ انت ھچی نوہ تلیں بائیک

بانڑی کی شمولیت نے تھکے ہارے فوج کو ایک نیا جذبہ دیا جس سے لشکر دشمن سے لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ بلوچ لشکر مرتے دم تک دشمن سے لڑنے کیلئے گھوڑوں سے اتر کر بہادری سے دشمن کے تلواروں کا سامنا کرتی رہی۔ بانڑی بھی اپنی تلوار لئے شیر شاہ سوری کے قلعے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسی لمحے جب شیر شاہ سوری کا سامنا بانڑی سے ہوا تو اس نے کہا" تم ایک عورت ہو میرے راستے سے ہٹ جاؤ"۔

اسکے جواب میں بانڑی کہتی ہے

"جن ھما اَنت کہ میتگاں نِنداں
پّن ءُ مزواک ءُ مہیر اں رنداں
گوں وتی مرداں دز گلائیش اَنت

آخر کار بلوچوں نے جنگ میں فتح پا کر شیر شاہ سوری کا تختہ الٹ دیا اور ہمایوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کر لی۔

گل خان نصیر کے مطابق شیر شاہ سوری کے تیس ہزار فوجی مارے گئے۔ اسکے برعکس شاہ محمد مری یہ تعداد سات ہزار بتاتے ہیں۔ مولانا نور احمد فریدی کے مطابق ہمایوں کے لشکر میں سے سات ہزار افراد مارے گئے جن میں بلوچوں کی تعداد 300 تھی۔

اس جنگ کے بعد بلوچ کچھ دن تک وہاں پر آرام کرنے کیلئے ٹھہرے اور پھر کچھ دن بعد واپس آگئے۔ بہت سے بلوچ دہلی میں رہے اور بعد میں آگرہ چلے گئے جہاں انہوں نے "بلوچ پورہ" کے نام سے ایک علاقہ آباد کیا جو کچھ قلم کاروں کے مطابق آج تک انڈیا میں وجود رکھتا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی۔ گل خان نصیر، صفحہ 218-27
2۔ میراث۔ فقیر شاد، صفحہ 96
3۔ بلوچ قوم عہد قدیم سے عصر حاضر تک۔ شاہ محمد مری، صفحہ 110-114
4۔ چاکر اعظم۔ سردار خان گیشکوری۔ ترجمہ: عبدالغفار ندیم، صفحہ 179-183
5۔ ماہتاک گوانک۔ مارچ 2011، صفحہ 35
6۔ بلوچ قوم اور اسکی تاریخ۔ مولانا نور احمد خان فریدی، صفحہ 276

انقلابی تحریکیں اور خونی رشتوں کا خاتمہ

بورتاچ بلوچ

انقلابی تحریک ایسے جدوجہد کا نام ہے کہ جس میں پورے نظام کی تبدیلی کی بات ہوتی ہے۔ روایات دم توڑتے ہیں اور خونی رشتوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ ایسے تحریک میں سب برابر ہوتے ہیں اور سب کو ایک ہی نام سے پکارا جاتا ہے وہ ہوتا ہے انقلابی دوست۔ انقلابی تحریک وہ واحد تحریک ہوتی ہے جو تمام لوگوں کے رشتے کو نئی جہت سے روشناس کرانے کیلئے رحمت ثابت ہوتی ہے اور سب کو برابری کا درس دیتی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ جس معاشرے میں تحریک آزادی شروع ہوجاتی ہے تو اُس معاشرے کے ہر ایک پہلو پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کا مقصد صرف سماج میں ظلم کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ معاشرے کے معاشی، معاشرتی، تعلیمی، نفسیاتی اور یہاں تک کہ جنسی پہلوؤں کو بھی خواب خرگوش سے بیدار کر کے ان میں نئی روح پھونکنی ہوتی ہے۔ جب ہم تحریک آزادی کے دوران باپ اور بیٹے کے رشتے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہی خونی رشتہ دوستی کے رشتے میں دکھائی دیتا ہے۔ فرانز فینن اپنی کتاب ''سامراج کی موت'' میں الجزائر کی تحریک آزادی میں باپ اور بیٹے کا رشتہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں ''انقلابی قیادت کی کوششوں سے قومی ضمیر بیدار ہو چکا تھا۔ اسکے شعور میں ایک انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ لیکن اس انقلابی شعور و آگہی کا زیادہ تر اثر باپ کے بجائے بیٹے پر ہوا جو جدوجہد آزادی کے منشور میں دلچسپی لے رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ والد نے بعض اوقات استعمار کے خلاف کوئی کڑوی باغیانہ بات کی ہو لیکن اسکا اثر اظہار وقتی تھا یعنی یہ صرف ذہنی نفرت سے ہونٹوں تک آئی اور بغیر کسی عملی جہت کے حالات کے جبر تلے دب کر رہ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ والد اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ بیٹا آوارہ پھرنے اور ادھر ادھر سرگردانی سے گریز کرو۔ زیادہ تر وقت اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارو۔ اسے نصیحت کی جاتی ہے کہ ہم تمہاری پسند کے مطابق تمہیں رشتہ ازدواج میں باندھنا چاہتے ہیں اس کے لیئے تیار ہو جایئے۔ اپنی خانگی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ہاتھ پاؤں مارو اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کی کوشش کرو لیکن اب یہ نصیحتیں بے اثر ثابت ہوتی ہیں کیونکہ بیٹا کسی اور ہی راستے پہ گامزن ہونے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ باپ جب فرانسیسی اہلکاروں کی کوئی حرکت دیکھتا تو صرف پریشان ہوتا لیکن بیٹے میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا ہوچکی تھی۔ اس نے اپنے اضطراب کو نفرت میں تبدیل کیا۔ اسے اپنے دل و زبان کا حصہ بنایا، اپنے اعصاب پر سوار کیا اور فیصلہ کیا کہ جب تک مغربی آقاؤں کی غلامی سے ملک و ملت کو چھڑا نہیں لیتا، چین سے نہیں بیٹھے گا۔ اب آزادی و عزت نفس ہی زندگی کا مقصد قرار پائی ہیں۔ باپ نے جب بیٹے کی ذہنی کیفیت دیکھی تو اسے پریشانی لاحق ہوئی۔ باپ نے بیٹے کو ناصحانہ انداز میں سمجھانا شروع کیا کہ دیکھو جس راستے پر تم چل رہے ہو یہ نہایت ہی پرخطر ہے، استعمار کے خونی پنجے بہت مضبوط ہیں، تم انکو اکھاڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے، جب باپ بیٹے کو نصیحت کرتا تو بیٹے نے ابتدائی سطح پر کسی بد تمیزی یا گستاخی کا مظاہرہ نہ کیا نہ دوٹوک جواب دیا بلکہ شرم و حیا اور آداب فرزندی کی سچی تصویر بنے کھڑا رہا۔ اس ردعمل سے باپ کو ایک حد تک یقین ہوگیا کہ ابھی میرا بیٹا میرے نصیحت پر ہی عمل کرے گا لیکن باپ کیا خبر کہ بیٹے کی خاموشی میں کتنے طوفان چھپے

ہوئے ہیں اور اسکے ارادوں میں کتنی بجلیاں پوشیدہ ہیں۔اس عجیب صورت حال سے دوچار ہونے کے بعد بیٹے کو فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ کس طرح اپنے والد کو اپنے من کی دنیا سے آگاہ کرے۔اس کے دو طریقے ہیں کہ یا تو اپنے والد کی نصیحتوں کا احترام کر کے انقلابی سرگرمیوں کو خیر باد کہہ دے یا پھر اس کے سامنے اپنی باغیانہ روش کا اظہار کر دے اور اسکی نصیحتوں کا واضح انکار کر دے۔ لیکن موخر الذکر میں ایک قباحت یہ بھی تھی کہ اگر وہ باپ کی صریحاً حکم عدولی کرتا تو گستاخی کا مرتکب ہونے کی پاداش میں اسے تنہائی کا شکار ہونا پڑتا۔اس نے اس کے بجائے تیسرا راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ والد ماجد کی پیروی کرنے کے بجائے اسے اپنے خیالات و افکار کا گرویدہ بنالیا۔ باپ نے جس تحریک آزادی اور انقلابی سرگرمیوں کے بارے میں بیٹے کے جذبات دیکھے تو تذبذب کا شکار ہو گیا لیکن بیٹے کی منطق اور توجیہات میں اتنی رعنائی اور جاذبیت نہیں تھی کہ باپ کو مکمل طور پر قائل کر پاتا۔جس باپ نے بنفس نفیس گردو پیش کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ اس کا بیٹا تنہا ہی منزل کا راہی نہیں بلکہ یہاں تو سینکڑوں کاروان آمادہ سفر ہو چکے ہیں۔ یہاں تو فکر و عمل کی دنیا ہی بدل چکی ہے۔اس طرح باپ اپنی شخصیت کا توازان کھو بیٹھتا۔وہ بیٹے کو شکار کرنے آیا تھا لیکن خود ہی شکار ہو گیا۔ بڑے تذبذب اور سوچ و بچار کے بعد اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب زندہ رہے گا تو بیٹے کے ساتھ اور اگر مرے گا تو بیٹے کے ساتھ۔ان میں ذہنی خلیج بڑھنے کے بجائے پر ہو گئی۔ باپ نے تمام روایتی اقدار کو دفن کر دیا اور زندگی کی نئی راہوں پر چلنے کا فیصلہ کر لیا۔

آگے چل کر قلمکار کچھ یوں لکھتا ہے کہ جب والد نے دیکھا کہ اسکا بیٹا خاندانی خوشیوں کو خیر باد کہہ کر مجاہدین کے گروہ کے ساتھ مل گیا تو اس نے اپنے بیٹے کو تلقین کی کہ اے میرے فرزند! جب تو مجاہدین کے ساتھ جائے گا تو وہاں نظم وضبط کا بھرپور مظاہرہ کرنا اور کمانڈر کی طرف سے جو مشن ملے اسے پوری توجہ سے سننا اور پھر کمال ضبط سے اُسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنا۔ حالانکہ یہ ایک تلخ حقیقت تھی کہ جب ایک شخص مجاہدین کے ساتھ ملتا ہے تو اسکے اہل خانہ کی زندگیاں بھی خطرات سے دوچار ہو جاتی ہیں کیونکہ استعمار نواز خفیہ ایجنسیاں معاشرے میں ہونے والی ایک ایک تبدیلی سے باخبر ہوتی ہیں۔لیکن یہ باپ کی حوصلہ مندی ہے کہ ایسے حالات میں پرانے والے بوجھ اور نت نئے چیلنجوں کو اپنے سر لیتا ہے اور اس تلخ حقیقت کو وقت کا تقاضہ سمجھ کر برداشت کر لیتا ہے۔آخر کار ایک قدامت پسند باپ پیچھے کھڑا ہے اور انقلابی بیٹا اسکی رہنمائی کر رہا ہے۔ باپ اپنے بیٹے کے نقش قدم پر چلنے کیلئے پوری طرح مستعد و تیار ہے۔

فرانز فینن آگے چل کر باپ اور بیٹی کا رشتہ الجزائر کی تحریک آزادی میں کچھ اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب بچی اپنی ماں کی گود میں پروان چڑھتی ہے تو ماں اسکی تربیت روایتی انداز میں کرتی ہے اور اسکے ذہن میں یہ بات دھیرے دھیرے ڈالتی ہے کہ بیرونی دنیا کے کام لڑکوں کو مبارک ہوں تمہارا کام ایک پاک دامن بیٹی کی طرح گھر کی چار دیواری میں رہنا ہے۔لیکن یہ نیشنل لبریشن فرنٹ کا طرہ امتیاز ہے کہ جب تحریک آزادی شروع ہوئی اور روایتی عورت نے وقت کے تقاضوں کے مطابق مجاہدین کا ساتھ دینے کیلئے اپنا نقاب اتارا تو اسکے ساتھ ہی اس نے اپنے ذہن پر پرائے ہوئے پردوں کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ جب وہ بازاروں میں چلتی تو بظاہر ہر کوئی اسے اپنی پرہوس نظر کا نشانہ بناتا لیکن اسے کیا خبر کہ اس لڑکی کے بیگ میں چھوٹی مشین گن، کارتوس، ہینڈ گرنیڈ اور دو دھاری خنجر ہے۔ لبریشن تحریک عورت کیلئے رحمت ثابت ہوئی اور عورت تحریک کیلئے جذبہ اور متحرک۔ یہاں الجزائری خاتون نے دوہرا کردار ادا کیا ایک طرف اس نے معاشرتی بندھنوں، نام نہاد روایات اور فرسودہ

خیالات سے آزادی حاصل کر لی اور دوسری جانب مجاہدین کے ساتھ مل کر استعمار کے خلاف پنجہ آزمائی شروع کردی۔ اب وہ اپنی روشن فکری اور مجاہدین کے سرگرمیوں کی بدولت استعمار دشمن قوت بن کر ابھری۔ اس کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا کہ مغرب کے خونی پنجوں سے آزاد ایک آزاد الجزائر کا قیام ۔۔ ایک نئے وطن کا

شانہ بشانہ بیٹھ کر کر سکتی تھی۔ نہ اسے والد کا خوف ہوتا نہ بھائیوں سے ہچکچاہٹ۔ یہ انقلابی جدوجہد کا طرۃ امتیاز ہے کہ اب نہ صرف لڑکی کی شخصیت میں انقلاب آیا بلکہ اس کے والد کی شخصیت بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ تحریک آزادی الجزائر سے قطع نظر جب ہم اسلامی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں تو وہی انقلابی تحریک جیسا نقطہ نظر

آخر کار ایک قدامت پسند باپ پیچھے کھڑا ہے اور انقلابی بیٹا اسکی رہنمائی کر رہا ہے۔ باپ اپنے بیٹے کے نقش قدم پر چلنے کیلئے پوری طرح مستعد و تیار ہے۔

قیام ۔۔ تخلیقی قوتوں کے حامل مسکن کا قیام ۔۔۔ جمال وجلال کے حامل اداروں کا قیام ۔۔ اس نے تخلیق کائنات میں اپنی ذمہ داریاں پہچان لیں اور الجزائر کی نئی تاریخ رقم کرنے کی ٹھان لی۔ تحریک آزادی سے قبل نوجوان لڑکیوں کے سامنے تذبذب اور بے یقینی کی صورت حال تھی۔ انکے سامنے غربت، بے روزگاری اور شادی جیسے بھیانک مسائل تھے۔ لیکن بعد میں انہوں نے عائلی زندگی کے بجائے عملی زندگی کو ترجیح دی۔ الجزائر سے تعلق رکھنے والی شرمیلی اور بے بس لڑکیوں نے اپنے آپ کو مسلح کرلیا۔ اب وہ لڑکی یا عورت نہیں بلکہ ایک بہن بن گئی ہے۔ بائیں بازو کی پارٹیاں اپنی تحریک کے دست و بازو بننے والے لڑکے کو ساتھی (Comrade) اور لڑکی کو بہن (Sister) کے نام سے پکارتے ہیں۔ وہ چنچل شوخ اور نخرے والی لڑکیاں جو اپنے گھر میں اندھیرے کمرے میں جانے سے ڈرتی تھیں اب غاروں میں رہنے سے نہ گھبراتیں۔ تحریک آزادی نے ان کے اندر ایک انقلابی روح بیدار کردی۔ لڑکی کے ساتھ اسکے اہل خانہ کا رویہ یکسر تبدیل ہوگیا۔ وہی والدین جو اسے گھر سے باہر قدم رکھنے سے منع کرتے اب وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پہ پھرتی تھی۔ اب وہ یہ تمام باتیں بلا جھجک اپنے والدین کے ساتھ

ہمیں نظر آتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر زیبا افتخار نے جنگ اخبار کے سنڈے میگزین میں ایک کالم بعنوان ''حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق مسلم خواتین کیلئے مشعل راہ'' میں لکھتی ہیں ''مملکت اسلامیہ پر ایک وقت وہ بھی آیا تھا کہ جب دو متوازی خلافتیں قائم ہوگئیں۔ بنو امیہ کی خلافت شام تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اور باقی حضرت عبداللہ کے زیر اقتدار تھا مگر یہ وقت زیادہ دیر نہ رہا جب عبدالمالک بن مروات تخت نشین ہوا تو اس نے فوج کشی کے ذریعے علاقے چھیننا شروع کیا۔ تا آں کہ حجاز پر بھی فوج کشی کی نوبت آ گئی، ان کے قدم حرم کعبہ کے قریب پہنچ کے بھی نہ کانپے۔ مکہ معظّمہ کے محاصرے کی سختی اس حد تک پہنچ گئی کہ حضرت عبداللہ کے ساتھی انکا ساتھ چھوڑ کر حجاج بن یوسف سے امان طلب کرنے پر مجبور ہوئے اور بہت کم اصحاب آپ کے ساتھ رہ گئے۔ مگر آپ کی استقامت میں لغزش نہ آئی۔ حضرت عبداللہ ہر کام والدہ کے مشورے سے کرتے تھے، اس کڑے وقت میں بھی وہ اپنی والدہ کے پاس پہنچے اور اس مسئلے میں انکا مشورہ طلب کیا۔ اس بہادر بوڑھی ماں نے اس نازک موقع پر استقامت دین کا دامن نہ چھوڑا، بیٹے کو نصیحت کی ''اگر تو حق پر ہے تو حق پر ثابت قدم رہو۔ بیٹا جو صورت حال

تیرے ساتھ پیش آئی ہے اس سے تیرا قتل ہوجانا کہیں بہتر ہے، اللہ کی قسم تلوار کا وار جو عزت میں لگے، اس کوڑے کے لگنے سے کہیں بہتر ہے جو ذلت و رسوائی کی صورت میں لگایا جائے''۔

حضرت زبیرؓ نے خدشہ ظاہر کیا کہ میں ڈرتا ہوں، اہل شام میری لاش کی بے حرمتی کریں گے۔ اس موقع پر حضرت اسماءؓ نے وہ تاریخی جملہ کہا جو آج تک ہمت و شجاعت کی مثال بنا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا'' بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کی کھال اتارنا، اس کیلئے باعث تکلیف نہیں ہوتا''۔ اس با حوصلہ اور جوش ایمانی سے بھرپور جواب کے بعد حضرت عبداللہؓ باہر تشریف لے گئے اور اپنے مختصر سے ساتھیوں کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ حجاج بن یوسف نے آپکی لاش سرراہ سولی پر لٹکادی، ایک روایت کے مطابق آپکی لاش تین دن سولی پر لٹکی رہی۔ حضرت اسماءؓ کا وہاں سے گزر ہوا تو لخت جگر کی لاش دیکھ کر کہا'' ابھی اس سوار کے سواری سے اترنے کا وقت نہیں آیا''۔ پھر اس صابر ماں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو دفن کردیا اور اسکے چند دن بعد خود بھی وصال کر گئیں۔

اس واقعہ کا اگر نفسیاتی طور پر جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تاریخ انسانی حقوق و فرائض کا ایک سلسلہ ہے جس میں فرائض حقوق کا معاوضہ ہوتے ہیں اور حقوق فرائض کا ثمر۔ اب اگر ہم ان دو واقعات کا بلوچ تحریک آزادی سے موازنہ کریں تو ہمیں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ ظلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا مظلوم کا بنیادی فرض ہوتا ہے اور اسکی واضح مثال شہید الیاس نذر بلوچ کی ماں ہے۔

جب 5 جنوری 2011 کو الیاس جان کی مسخ شدہ لاش کو گھر لایا گیا تو سارے گھر والے رو پڑے مگر شہید کی ماں نے سب کو چپ کروائی اور کہا کہ کوئی میرے فرزند کیلئے نہ روئیں کیونکہ میرا بیٹا شہید ہوگیا ہے اور شہداء کیلئے کوئی نہیں روتا۔ پھر اس نے شہید کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا کہ میرا لخت جگر میرا دودھ تمہیں معاف ہے۔ پھر اس نے پاس بیٹے افراد سے مخاطب ہوکر کہا کہ الیاس جان ہمیشہ کہتا تھا کہ ماں! میری ایک اور ماں ہے جو ہر وقت مجھے پکارتی ہے۔ آج میرے لخت جگر کی خواہش پوری ہوگئی ہے، وہ اپنے مادر وطن کی گود میں سویا ہوا ہے۔

اسی طرح دیگر کئی ماؤں کی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے اپنے فرزندوں کی شہادت پر ماتم نہیں کیا بلکہ ہمت و بہادری کی زندہ مثالیں قائم کیں۔

آخر میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ انقلابی تحریکیں خونی رشتوں کا خاتمہ کرتی ہیں اور سب کو ایک ہی پہچان اور برابری کا درس دیتی ہیں۔ انقلابی تحریکیں جہاں بھی ہوں مگر سب کا سانس ایک ہی ساتھ چلتا ہے۔

انقلاب کوئی دعوت وطعام نہیں ہے۔ نہ ہی مضمون نویسی یا کشیدہ کاری ہے۔ یہ اتنا مہذب، اتنا با آرام، معتدل، رحمدل، شائستہ، باضابطہ یا فیاض بھی نہیں ہوسکتا انقلاب ایک بغاوت ہے۔ ایک تشدد کا عمل ہے جہاں ایک طبقہ دوسرے طبقے کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔۔۔۔۔☆☆☆ ماؤزے تنگ ☆☆☆

دشمن کی زبان سیکھ لو اسکے فتنے سے محفوظ ہو جاؤ گے

شہباز بلوچ

جب میں زبان پر کچھ لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں تو ہونا یہ چاہیئے تھا کہ میں اپنی مادری زبان براھوی یا بلوچی میں لکھتا لیکن یہاں مختلف اقوام آباد ہیں ہر ایک کی اپنی زبان ہے اور اکثریت کو اردو سمجھ آتی ہے۔ یہ تحریر میں صرف بلوچ قوم کیلئے نہیں بلکہ تمام پسماندہ اقوام کیلئے لکھ رہا ہوں۔ فرانز فینن کے بقول ''دشمن کی زبان سیکھ لو اس کے فتنے سے محفوظ ہو جاؤ گے''۔

دوسری جانب وہ الجزائر پر قابض فرانس کے بارے میں رقمطراز ہیں ''فرانسیسی زبان جب استعمار کے ہاتھوں میں تھی تو یہ محض مقامی ثقافت کو مسخ کرنے کا ذریعہ تھی لیکن جب مجاہدین نے خود کو اسے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا تو یہ ان کیلئے رحمت ثابت ہوئی''۔

اب ہم کچھ ذکر محکوم معاشرے کے زبان کو مسخ کرنے کے بعد اس پر پڑنے والے برے اثرات کا کرتے ہیں۔

غلامانہ رجحانات کو قبول کرنے میں زبان اہم کردار ادا کرتی ہے۔ زبان کو قبول کرنے کے بعد ان قوموں کا اعلیٰ طرز عمل معرض وجود میں نہیں آتا بلکہ قابض قوموں کے خرافات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اگر ہم اس وقت ترقی یافتہ قوموں کا جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان قوموں نے اپنی زبان کو اہمیت دی۔ چائنا اور جاپان کی ترقی میں مغربی رجحانات کا بڑا ہاتھ ہے لیکن انہوں نے وہاں کی زبان سے اجتناب کیا اور اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا۔ ہمیشہ کچھ چیزوں سے پرہیز کرنے کے بعد ہی قومیں دوسری اقوام سے بہترین چیزیں اخذ کرتی ہیں ورنہ نہیں۔ فرانس کی اپنی زبان ہے، جرمنی کی اپنی، روس کی اپنی اور دیگر بہت سی مثالیں ہیں۔ لیکن ان ممالک کی ترقی رکی نہیں۔ مگر تسلط زدہ اقوام کی حالت قابل افسوس ہوتی ہے۔ اس بات سے قومیں اپنا ذاتی تشخص کھو بیٹھتی ہیں۔ زبان کو اپنانے کے بعد خرافات ایک انبار ہوتا ہے جس میں ان کی تہذیبی ارتقاء، ان کی ترقی کی منازل میں بہت بڑی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں اور لاشعوری طور پر ایسی بدنصیب قومیں اپنی ہی تہذیب اور زبان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس میں قبضہ گیر کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ اور ہر وقت وہ اپنی ماتحت قوم کی زبان کو تضحیک کا نشانہ بناتا ہے، اسکو کمتر کہہ کر علاقائی لوگوں کو اپنی ہی زبان سے نفرت کرانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ قبضہ گیر کی زبان کو تہذیب و تمدن کی آماجگاہ سمجھتے ہیں۔ اور یہاں سے بھی انسانی رویے عجیب و غریب شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یہی لوگ غداری کا انداز اپناتے ہیں۔ جو لوگ اپنی ہی تہذیب اور زبان کو کمتر سمجھتے ہیں، اس کا مذاق اڑا کر غاضبوں و قبضہ گیروں کی حمایت کرتے ہیں۔ انہی کی نمائندگی کرتے ہیں جن سے لاشعوری طور پر اس تہذیب و زبان کو اپنی تہذیب و زبان پر غالب کیا جاتا ہے۔ اور وہ مکمل طور پر ان کے زیر اثر آجاتی ہیں۔ اگر محکوم اقوام اور آزاد ممالک کے زبانوں کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو یہاں اخلاقی گراوٹ اور دوغلا پن پیدا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک چیز کو تسلیم کرنے کے باوجود اس سے جان چھڑائی نہیں جا سکتی اور قدرت کے بعض عذاب ایسے ہوتے ہیں جن کو انسان سمجھنے سے قاصر ہے۔ تذلیل اور ذلت کی گہرائیوں میں جا کر بھی انسان ان کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ ایسی تذلیل اور ذلت اپنانے والے معاشرے اور ان کیفیات کے زیر اثر آنے والے

معاشرے گل سڑ کر مٹ جاتے ہیں۔آنے والے وقتوں میں ان کا ذکر بھی ایک بوجھ اور بے زاری کا باعث بنتا ہے۔ ایسے مختلف اوقات کے انسانی رویوں کو اصلاح پزیر کرنے اور ان رویوں کے بھینٹ چڑھنے والے لوگوں کیلئے نفسیات اور لائحہ عمل ہونا چاہیئے۔ ماہرین نفسیات اور علمائے کرام ذرا اس پر بھی غور کریں۔اخلاقی واعظیں اور نصیحتیں معاشرے کے رجحانات، خدوخال وطریقہ کار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی کار آمد ہوسکتی ہیں۔اگر ہم ان چیزوں سے گریز کریں گے، ان مسئلوں کو زیر بحث نہیں لائیں گے تو ان کے نتائج اور بھی بھیانک نکلیں گی اور اس سے بھی زیادہ مسخ شدہ معاشرے کو جنم دیں گی۔اس ملک کے حالات، واقعات، نظام، دستور و ثقافت، تہذیب سب کچھ دیکھ کر آپ وہی نتائج اخذ کریں گے جو اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔

حقائق کو تسلیم کرنے سے جب برسر اقتدار اور بارسوخ لوگوں میں ماتمی فضا پیدا ہوجائے تو مرض لاعلاج ہے۔ترقی کی منازل اقوام مزاجوں اور قدروں کو مدنظر رکھ کر ہی معرض وجود میں آتے ہیں ۔معاشرے کے ضابطہ حیات اور نظاموں میں جب دیگر اقوام کی زبانیں جگہ پاتی ہیں تو انہیں کھا جاتی ہیں۔غیر اقوام کی زبان کے اثرات یہاں تک اثر انداز ہوتی ہیں کہ وہاں کے اچھے لوگ بھی اپنی انفرادی تحفظ کی طرف بھاگتے ہوئے اس بات پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ اپنی شخصیت میں پھیلاؤ کے بجائے اپنی حد بندی کا تعین کرلیں۔کیونکہ وہ اس معاشرے میں رچ بس نہیں سکتے اور لاشعوری طور پر احساس کمتری جنم لیتا ہے حالانکہ وہ بہترین صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔

غیر اقوام کی روشنی اور علم، حد بندیوں کا تعین، جائز و ناجائز کی پہچان بہترین چیزوں کے انتخاب سے ہی کار آمد ثابت ہوتی ہیں، اور وہ طبقات جو دیگر اقوام کی نمائندگی کرتے ہیں اور وہ طبقہ بارسوخ اور امراء کا طبقہ ہو یا دانشوروں کا وہ طبقہ جو دوسری زبانوں کا سہارا لیئے بغیر یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اسکو علم کا سٹرٹیفکیٹ نہیں مل سکتا، یہ لوگ قوموں کی تقدیر کبھی نہیں بدل سکتے اور ایسے لوگ ہی قوموں کو مختلف طبقوں میں بانٹ دیتے ہیں اور اسکا اجتماعی نقطہ نظر معرض وجود میں نہیں آتا۔کیونکہ اجتماعی نظریہ اجتماعی مفادات ہیں اور نہ اجتماعی طرز زندگی ہیں تو وہ کیسے وجود میں آئے گا۔

اگر سامراج تشدد کے ذریعے آزادی کی تحریک کو دبانا چاہتی ہے تو اپنی انتہائی کوشش کر کے دیکھے ہم سچے دل سے اسکی پالیسی کو خوش آمدید کہتے ہیں کیونکہ سامراج کی یہ پالیسی میرے ہم وطنوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔۔۔۔۔ ﴿سبھاش چندر بوس﴾

کرائے کے ظل الٰہی

ثناءاللہ بلوچ

عجیب بات ہے قبضہ گیر کسی بھی مذہب، کسی بھی قوم سے ہو، کہیں بھی کسی ملک، قوم پر قابض ہو۔اسکی سوچ اور کردار میں کافی یکسانیت پائی جاتی ہے۔قبضہ، قتل عام، لوٹ مار، تشدد، تعلیمی نظام، معاشی استحصال، سماجی جبر، مذہبی شدت پسندی وفرقہ واریت قبضہ گیر کے انتہائی موثر ہتھیار ہیں جو قبضہ گیر ہمہ وقت مقبوضہ خطے پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے اور لوٹ مار جاری رکھنے کی غرض سے استعمال کرتی رہتی ہے۔تاکہ نوآبادیات میں بسنے لوگوں کو امن اور آزادی کا خیال تک نہ آئے اور انکا یہ خیال مذہب، غربت اور جاہلیت کے دھندلکوں کے پیچھے غائب ہو جائے اور مقبوضہ ریاست کے لوگ اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ناانصافی کو خدا کی مرضی سمجھ کر قبول کرلیں۔انہیں یہ سوچنے کا موقع تک نہیں دیا جاتا کہ خدا کیونکر کسی کو غلام اور کسی کو آقا بنادے۔کسی کی معیشت، تعلیم کو انتہائی ترقی، تو کسی کو سماجی نا برابری، معاشی استحصال جاہلیت اور دووقت کی روٹی کا محتاج بنادے۔غلامی کے اندھیروں اور ظلم و جبر کے مسلسل خوف کی وجہ سے ایسے موٹے موٹے حقائق بھی غلام اقوام کو نظر نہیں آتے۔

پاکستان نے جب بلوچستان پر قبضہ کیا تو اس وقت بلوچ قوم نے شدید مزاحمت کی۔اور بلوچ سرزمین کا ہر محاذ پر دفاع کرنے کی کوشش کی۔لیکن اس وقت فوجی لحاظ سے کمزوری کی وجہ سے وہ پاکستانی فوج کو بلوچستان میں داخل ہونے سے روک نہ سکا۔پاکستان نے پہلے ہی دن بلوچوں کی جذبہِ حریت وآزادی کو دیکھ کر اپنا مستقبل خطرے میں محسوس کیا اور اسی دن سے بلوچوں کو منتشر کرنے کے مختلف حربے آزماتا چلا آرہا ہے تاکہ بلوچ اپنے بلوچستان سے بیگانہ ہوکر آپس میں الجھ جائیں لیکن بلوچ جہداُتار چڑھاؤ کے ساتھ جاری رہی۔جب اکیسویں صدی کا آغاز ہوا تو ترقی یافتہ دنیا تیسری دنیا کو بہت پیچھے چھوڑ چکی تھی، ہر طرف اندھیر نگری کا راجتھا بلوچستان بھی اسی کیفیت سے دوچار تھا۔پاکستان لوٹ مار جاری رکھے ہوئے تھا لیکن اب کی بار بلوچ قوم یہ سب چیزیں برداشت کرنیوالی نہیں تھی۔وہ اپنی گزشتہ غلطیوں سے بہت کچھ سیکھ چکا تھا۔جب بلوچ قومی تحریک نے پھر سے سر اٹھائی تو دشمن بھی حواس باختگی کا شکار ہوا اور بلوچ فرزندوں کو ڈرا دھمکا کر راہ راست سے دور کرنا چاہتا تھا لیکن اب یہ وفا کے پیکر کہاں پیچھے ہٹنے والے تھے۔غرض کہ دشمن ہر وہ غیر انسانی عمل آزماتا رہا۔تشدد، اذیت، ٹارگٹ کلنگ، اغواء، حراستی قتل وہ یہ سب غیر انسانی وغیر اخلاقی اعمال بلوچ فرزندوں پر آزماتا رہا۔لیکن بلوچ نوجوانوں نے دشمن کی طرف سے کئے جانیوالے ہر تشدد کو اپنی قومی آزادی کے لیئے قبول کیا اور خود کو ذہنی طور پر مزید مستحکم ومضبوط کرتے رہے۔بے تحاشا سروں کی قربانیوں کے بعد بھی تحریک کمزور ہونے کے بجائے مزید تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اور دشمن اب بیک وقت مختلف حربے آزما کر نوجوانوں کے سامنے مشکلات کھڑی کرنا چاہتا ہے۔بلوچستان کے مختلف علاقوں میں مذہبی جماعتوں کے ذریعے جلسے کروا کر بلوچ جہد آزادی کے خلاف پروپیگنڈہ کروا رہی ہے۔دشمن اپنی میڈیا، مذہبی جماعتوں، موقع پرست قوم پرستوں اور غداروں کو استعمال کر رہی ہے۔تاکہ بلوچستان میں جاری اس جنگ کو کمزور کیا جاسکے۔اور حیرت کی بات یہ ہیکہ حسب روایت یہاں بھی مذہبی جماعتیں انتہائی آسانی سے استعمال ہو رہے ہیں۔اور قابض ''جس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا'' کا ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے اُسی کی ایماء پر اپنے جلسوں اور مذہبی اجتماعات میں بلوچ قومی تحریک کے خلاف پروپیگنڈے کرتے نظر آتے ہیں۔گماشتے اور منافق ملا دشمن

سے پیسے بٹورنے کے لیئے مذہب کوایک کاروبار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔بلوچ علماء کرام کو چاہیئے کہ وہ خود حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیکر اپنی پالیسی طے کریں۔اور وہ لوگ جو مصنوعی داڑھی رکھ کر کرائے کے ظل الٰہی بنے ہوئے انکے ہاتھوں کا کھلونا بننے سے بچیں کیونکہ مذہب کوئی بھی ہو وہ کسی بھی انسان قوم یا ملک پر قبضے کی اجازت نہیں دیتا اور قبضہ گیریت کے خلاف سوائے گماشتے کاروباری ملاؤں کے باقی سب مذاہب جہاد اور جدوجہد کا درس دیتے ہیں۔

ملک نور احمد قمبرانی کی شہادت کے خلاف بی ایچ آر او کا کوئٹہ پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ

کوئٹہ بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کی جانب سے بزرگ بلوچ رہنما واجہ نور احمد قمبرانی کی بہیمانہ کی شہادت کے خلاف کوئٹہ پریس کلب کے سامنے ایک احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔مظاہرے سے خطاب کرتے ہوئے بی۔ایچ۔آر۔او کے رہنماؤں نے کہا کہ نور احمد قمبرانی جیسے بزرگ رہنما کا وحشیانہ قتل ریاستی اداروں اور انکے گماشوں کی وحشت و بربریت کی بدترین مثال اور انکی شیطانی ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔بلوچ نسل کشی پر عمل پیرا ریاستی اداروں اور انکے گماشتوں نے کماش نور احمد قمبرانی کو گزشتہ دنوں چاقوؤں سے وار کر کے اس وقت بے دردی سے شہید کر دیا جب وہ سیٹلائٹ ٹاؤں کوئٹہ میں واقع ایک دکان میں بیٹھے تھے۔مسخ شدہ لاشوں اغواء وگمشدگیوں کے بعد اب ریاستی اداروں نے بلوچ سیاسی رہنماؤں، اساتذہ، دانشوروں، ڈاکٹرز اور وکلاء کو براہِ راست ٹارگٹ کر کے شہید کرنے کی پالیسی اپنائی ہوئی ہے۔اس سے پہلے شہید صباء دشتیاری اور شہید نذیر مری کو اسی طرح بے دردی سے ٹارگٹ کر کے شہید کیا گیا۔نور احمد قمبرانی کے قتل کا طریقہِ واردات دراصل قتل کے محرکات کو چھپانے اور اپنے آپ کو اس گھناؤنے فعل سے بری الذمہ قرار دینے کی ایک ناکام کوشش ہے۔مگر لاکھ کوشش کے باوجود ظلم چھپائے نہیں چھپتا۔ریاست کا ہر ایک ادارہ بلوچ نسل کشی کو ایک دوسرے کے سر تھونپ کر اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کر رہی ہے اور گذشتہ دنوں پاکستانی وزیراعظم کا یہ بیان کہ بلوچستان میں وفاقی عسکری ادارے من مانی کاروائیاں کر رہی ہیں بھی اسی سلسلے کی ایک کھڑی ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ اس فعل میں کوئی ایک ادارہ نہیں بلکہ پورے کا پورا ریاستی ڈھانچہ ملوث ہے۔مگر دوسری جانب پاکستانی پولیس، عدلیہ اور پارلیمنٹ کے اعتراف کے باوجود بھی اقوام متحدہ اور عالمی انسانی حقوق کے اداروں کی خاموشی جنیوا کنونشن کی صریحاً خلاف ورزی اور انکے کردار پر سوالیہ نشان ہے۔ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ بلوچ نسل کشی میں ریاست کے ملوث ہونے کا ذکر نہ صرف اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کے ادارے تواتر سے کرتے رہتے ہیں بلکہ پاکستانی عدلیہ و پارلیمنٹ سمیت دیگر کئی ادارے اس کا برملا اعتراف کر چکے ہیں۔ان سب کے باوجود اقوام متحدہ، عالمی برادری اور انسانی حقوق کے اداروں کی خاموشی اس شک کو تقویت پہنچاتا ہے کہ وہ بلوچوں کو انسان نہیں سمجھتے یا وہ ریاستی اداروں کے سامنے بلیک میل ہیں۔اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بلوچ انسان ہیں اور بلوچستان میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی اور دارفور جیسے انسانی بحران سے بچنا چاہتے ہیں تو وہ فوری مداخلت کر کے بلوچوں کی نسل کشی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو روکنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

قدرتی دولت سے مالا مال بلوچستان اور بلوچ جدوجہد

ماروہ گل بلوچ

بلوچستان جو معدنی وسائل سے مالا مال خطہ ہے یہاں سونے ، چاندی، کرومائیٹ ،جپسم ،کوئلہ اور تیل وگیس کے عظیم ذخائر موجود ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم گرم ساحل بھی ہے جو سالہ سال تجارت کیلئے کھلا رہتا ہے۔ایک طرف بلوچ سرزمین کے زیور سیندک اور ریکوڈک جو سونا پیدا کرنے والے دنیا کے پانچویں بڑے ذخائر ہیں تو دوسری طرف بلوچ سرزمین بھی انتہائی زرخیز ہونے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کیلئے انتہائی اہمیت کا حامل خطہ ہے۔اس طرح کا شاید ہی کوئی خطہ ہو جو بلوچستان کی طرح اس قدر معدنی دولت سے مالا مال ہو۔قدرتی دولت سے مالا مال سرزمین بلوچستان کے باسی اکیسویں صدی میں بھی انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں ۔لوگ دو وقت کی روٹی اور ایک بوند پانی کیلئے بھی ترستے رہتے ہیں ۔آج بلوچ جو اپنی ہزاروں سالہ تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے اسکی ابتداء اس وقت ہوئی جب 27 مارچ 1948 کو پاکستانی فوج نے بلوچستان کے دارالحکومت قلات پر ہلہ بول کر بلوچ سرزمین پر قبضہ کرلیا جسکے ردعمل میں خان آف قلات کے بھائی اور اس وقت کے گورنر مکران پرنس عبدالکریم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جبری الحاق کیخلاف علم بغاوت بلند کر کے مسلح جدوجہد شروع کی ۔لیکن بھرپور فوجی قوت استعمال کرنے کے بعد بھی دشمن بلوچ جدوجہد کو شکست دینے میں ناکام رہا تو آغا عبدالکریم اور ساتھیوں کو قرآن کے نام پر مذاکرات کا جھانسہ دے کر پس زندان کر دیا۔لیکن ہزاروں سال انگریزوں سے لڑنے والے بہادر بلوچ سپوتوں کے پایہ استقلال میں لغزش نہ اور بلوچ جنگ آزادی کا تسلسل جاری رہا۔جو نشیب و فراز کے بعد 1958 میں نواب نوروز خان کی قیادت میں پھر سے شروع ہوا جسے کچلنے کیلئے پاکستان کی مقتدرہ قوتوں نے اپنی طاقت آزمائی کی ناکام پالیسی جاری رکھی۔نواب نوروز خان کو بھی مذاکرات کا جھانسہ دیکر پہاڑوں سے واپس بلایا گیا۔خود کو اسلام کا چیمپیئن ظاہر کرنے والا نام نہاد اسلامی ملک نے قرآن کی بھی پروانہ کی اور قرآن پاک کی بے حرمتی کر کے نواب نوروز خان کو انکے بیٹوں سمیت گرفتار کر کے حیدرآباد جیل میں قید کر دیا۔ وہاں انکے سامنے پانچ نوجوان بیٹوں اکو پھانسی دے دی گئی۔ اس بہیمانہ اقدام کے بعد نوروز خان نے بھی جیل میں شہادت کا رتبہ پایا مگر جنگ جاری رہی ۔ 1963 سے 1969 تک بلوچستان کا 45 ہزار مربع میل علاقہ گوریلا جنگ کی لپیٹ میں آیا۔اس مرحلے تک بھی پاکستان کی حقیقی مقتدرہ قوتوں نے طاقت کے استعمال کی اپنی پالیسی جاری رکھی۔ وقتاً فوقتاً بلوچستان میں فوجی آپریشن اور ظلم و جبر کا نیا سلسلہ شروع کر دیا جاتا۔ اسی اثناء میں جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت میں بلوچستان میں ایک بار پھر جنگ آزادی کو کچلنے کیلئے بدترین آپریشن شروع کر دیا گیا جو تا حال جاری ہے۔ بلوچستان کے ساحل و وسائل پر قبضہ جاری رکھنے کیلئے پاکستانی فوج نے بدترین بربریت کو جاری رکھی ہوئی ہے ۔26 اگست 2006 کو نواب اکبر خان بگٹی کی 60 ساتھیوں سمیت دو بدو لڑائی میں شہادت نے تحریک آزادی کو جلا بخشی اور بلوچ نوجوان جوق در جوق تحریک میں شامل ہو کر آزادی کیلئے برسرپیکار رہے لیکن اس وقت کی تحریکوں میں اور اس بار کی تحریک

میں فرق یہ ہے کہ اس وقت قبائلی اور سردار ونوابوں کی سربراہی میں لڑی جا رہی تھی لیکن اب تحریک آزادی میں متوسط طبقے کی بالخصوص نوجوان اس میں پیش پیش ہیں ۔مکران سے لیکر ڈیرہ بگٹی تک ہر بلوچ اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ بلوچوں کے انقلابی قیادت کی شہادت سے نوجوانوں ان کو اپنی آئیڈیل بنا کر مزید فکری بنیادوں پر اس تحریک کو مزید انقلابی اصولوں کے مطابق جاری رکھا ہوا ہے۔ میر بالاچ خان کی شہادت، غلام محمد م شیر محمد لالا منیر کی اغواء وانکی مسخ شدہ لاشوں کے بعد بلوچ تحریک نے ایک نیا موڑ لیا اور بلوچستان بھر میں ہر اس چیز کو جلا کر راکھ کر دیا گیا جو قابض کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ قابض نے بلوچ تحریک آزادی کو کاؤنٹر کرنے کیلئے اپنی وحشت و بربریت کی پالیسی جاری رکھی اور 14000 بلوچ فرزندوں کو لاپتہ کرنے کے بعد ان میں 400 سے زائد کی اب تک مسخ شدہ لاشیں ویرانوں اور جنگلوں سے مل چکی ہیں۔ لاپتہ افراد اور مسخ شدہ لاشوں نے ہر بلوچ کو مجبور کر دیا کہ وہ بندوق اٹھا کر قابض فوج کے خلاف برسر پیکار رہے۔ بلوچ شہداء کی قربانیوں کی بدولت آج بلوچ مسئلہ بین الاقوامی سطح پر حل طلب تنازعے کے طور پر سامنے آئی ہے۔ آج بلوچ یہ بات منوانے میں کامیاب ہوگیا ہے کہ بلوچ اپنی آزادی کے لیئے پاکستانی ریاست اور پاکستانی فوج سے میدان جنگ میں نبرد آزما ہے اور بلوچ بین الاقوامی قوانین کے تحت اپنی آزادی کے حصول کیلئے اپنی قیمتوں جانوں کا نذرانہ پیش کر رہی ہے۔

ضرورت ہے کہ پھر شمع وطن پر نذر ہونے کو
وطن زادوں سے ہر آتش بجاں پروانہ ہوجائے
فقط دانائیوں سے مرادیں ہی بر نہیں آتیں
ضرورت ہے کہ داناؤں میں ایک دیوانہ ہوجائے
ضرورت ہے اک ایسے کاسہ سر شعلہ دیدہ کی
شراب آتش الفت کا جو پیمانہ ہوجائے

☆یوسف عزیز مگسی☆

ضروری نہیں کہ ہر بلوچ گوریلا سپاہی ہو مگر یہ ضروری ہے کہ ہر بلوچ اپنی بساط کے مطابق جدوجہد کر کے اپنا قومی فرض نبھائے۔ کیونکہ قومی تحریک کو ہر طرح کی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ وہ جدوجہد چاہے قلم کی صورت میں یا کوئی اور عملی جدوجہد۔

☆شہید ڈاکٹر خالد بلوچ☆

آئینہِ حقائق

چیدہ چیدہ حالات، واقعات اور خبروں پر ماہانہ تجزیہ

پھلین بلوچ

جنگ زدہ بلوچ سرزمین پر جولائی کا مہینہ بھی دیگر لمحات کی طرح دشمن کے ظلم و جبر، بدخواہوں کی زہر افشانیوں اور آزادی کے متوالوں کی جدوجہد جاری رکھنے کے عزم کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس ماہ کی سب سے اہم خبر 4 سال کی طویل مدت کے بعد بی۔ایس۔او (آزاد) کے کونسل سیشن کا انعقاد ہے۔ ظلم و جبر، کشت وخون اور پُر آشوب اور کھٹن اور قہر بھرے حالات میں بی۔ایس۔او (آزاد) کے نوجوانوں نے تمام تر ڈر اور خوف سے بالاتر ہوکر 9,8,7 جولائی کو آواران جیسے حساس علاقے میں کونسل سیشن منعقد کر کے دشمن اور اسکے حواریوں کی یہ غلط فہمی دور کردی جو یہ چہ مگوئیاں کرتے نہیں تھکتے تھے کہ بی۔ایس۔او (آزاد) حالات کے جبر کا شکار ہوکر اپنا وجود کھو چکی ہے۔ گزشتہ سال جب بی۔ایس۔او (آزاد) نے اپریل 2011 میں منعقد ہونے والے اپنے کونسل سیشن کو چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر ملتوی کردیا تو قبضہ گیر اور اسکے گماشتوں کی گویا چاندنی ہوگئی کہ بی۔ایس۔او (آزاد) ڈر اور خوف کا شکار ہوکر پیچھے ہٹ گئی ہے۔ بی۔ایس۔او کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے 1967 میں اپنے قیام سے لیکر آج تک بلوچ قوم پرست سیاست میں کلیدی کردار ادا کرتے ہوئے بلوچ تحریک آزادی کے روح رواں کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے۔ بی۔ایس۔او نے ہر دور میں دھرتی ماں کے ہزاروں ایسے فرزندوں کی فکری پرورش کی جو شہید حمید، شہید غلام محمد، شہید حمید شاھین، شہید فدا، شہید ڈاکٹر خالد، شہید کمبر چاکر، شہید شفیع، شہید کامریڈ قیوم اور دیگر سینکڑوں فرزندوں کی صورت میں سرزمین کے عشق میں گرفتار ہوکر اپنی جان سے گزر کر گلزمین کو غلامی کے چنگل سے آزاد کرانے کی راہ میں اپنے لہو کا نذرانہ دے کر مادر وطن کی آغوش میں چین کی نیند سو رہے ہیں، یا ذاکر مجید اور دیگر کی صورت میں دشمن کی قید و زندانوں میں آذیتیں سہہ کر سرزمین کا قرض اتارنے میں مصروف ہیں یا پھر ڈاکٹر اللہ نذر اور ساتھیوں کی صورت میں سنگلاخ پہاڑوں اور سخت چٹانوں کو اپنا مسکن بنا کر یا کامریڈ عبدالنبی بنگلزئی اور بشیر زیب کی صورت میں مادر وطن سے محبت اور تحریک آزادی کا پیغام گھر گھر عام کر کے سرزمین کی لاج رکھنے میں مصروف ہیں۔ 1988 کے بعد دشمن کی سازشوں اور سامراجی چوکھٹ پر سجدہ ریز موقع پرست پارلیمانی پارٹیوں کی ریشہ دوانیوں سے تقسیم در تقسیم کا شکار ہوکر صرف پارلیمانی جماعتوں کے جھنڈے اور بینرز لگانے اور پاکٹ آرگنائزیشن کی حد تک محدود رہ جانے والے بی۔ایس۔او کو 2002 میں ڈاکٹر اللہ نذر اور اسکے چند فکری ساتھیوں نے پارلیمانی پارٹیوں سے نجات دلانے اور اسے اسکی اصل سمت (بلوچ قومی آزادی کی جدوجہد) میں گامزن کرنے کیلئے بی۔ایس۔او (آزاد) کی صورت میں جس جدوجہد کی داغ بیل ڈالی وہ آج سینکڑوں سروں کی قربانی دینے، ظلم و جبر اور ہزاروں مشکلات و مصائب جھیلنے کے بعد فکری بالیدگی کی حدوں کو چھو کر بلوچ قومی تحریک کے ایک مضبوط ادارے کے طور

پر سامنے آ کر ، بین الاقوامی تنظیم کی حیثیت حاصل کر کے بلوچ سماج کی روح میں سرایت کر چکی ہے۔جس کا برملا اعتراف مقامی ذرائع ابلاغ کے علاوہ امریکی اخبار نیو یارک ٹائمز اور فرانسیسی محققین اپنی تحقیق میں کر چکے ہیں۔بی ایس۔او (آزاد) نے ان حالات میں جب دشمن بلوچ سرزمین کو اسکے فرزندوں کے خون میں نہلانے کی جدوجہد میں مصروف ہے علی الاعلان کونسل سیشن منعقد کر کے ڈر اور خوف سے بالاتر ہو کر جدوجہد جاری رکھنے کی ایک تاریخی روایت قائم کی ہے۔جو یقیناً ایک معجزے سے کم نہیں ۔

ایک طرف اگر نواب خیر بخش مری کے فکری پیروکار بی۔ایس۔او (آزاد) کے نوجوان کونسل سیشن کی تیاریوں میں مصروف تھے تو دوسری طرف قبضہ گیر اپنی بلوچ کش پالیسیوں کو دوام دینے کیلئے کسی پس وپیش سے کام نہیں لے رہی تھی۔اخلاق وتہذیب سے عاری سامراجی تشکیل کردہ ڈیتھ سکواڈ کے کارندوں نے نواب خیر بخش مری کے فکری وسیاسی دوست اور حق توار سٹڈی سرکل کے ایک اہم کردار ملک نور احمد قمبرانی کو کوئٹہ کے علاقے سیٹلائٹ ٹاؤن کے بھرے بازار میں دن دیہاڑے خنجروں سے وار کر کے پیراں سالی میں بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔بی۔ایس۔او کی طرح حق توار سٹڈی سرکل نے بھی نواب خیر بخش مری کی قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت کئی ایسے سپوتوں کی تربیت کی جو موجودہ جاری جنگ آزادی میں اہم کردار ادا کرتے چلے آ رہے ہیں ۔جن میں ملک نور احمد قمبرانی ،غفار لانگو،علی شیر کرد اور امیر بخش لانگو سمیت کئی فرزند شہادت کے رتبے پر فائز ہو کر امر ہو چکے ہیں ۔نور احمد قمبرانی سے پہلے نذیر مری اور جان محمد مری جیسے نواب مری کے قریبی دوست اسی طرح دشمن کی بربریت کا نشانہ بنے ہیں۔بلوچ تحریک آزادی کے سیاسی پیغمبر کو اسکے قریبی اور فکری ہم عصر ساتھیوں سے محروم کرنے سے شاید اپنے وجود کی گرتی دیوار کو سہارا دینے کی کوشش میں سراسیمگی میں مبتلا دشمن کا مقصد اسے سیاسی طور پر تنہائی کا شکار کر کے بلوچ جدوجہد سے دستبردار کرا کے بلوچ قوم کی فکری نشوونما پر قدغن لگا کر اسے فکری بانجھ پن کی تاریکیوں میں دھکیلنا ہے ۔مگر تاریخ سے نابلد اور کمزور حافظے کا مالک دشمن شاید یہ بھول چکا ہے کہ وہ ہزاروں بنگالی دانشوروں ، زیرک سیاستدانوں اور بزرگ رہبروں کو موت کی گھاٹ اتارنے کے باوجود بھی بنگلہ دیش کی آزادی کو نہ روک سکا تو ساٹھ سال کی کٹھن جدوجہد کے سائے میں تعلیم حاصل کر کے نظریاتی اور شعوری طور پر لیس بلوچ نوجوانوں کے بڑھتے قدموں کو اس طرح کے غیر مہذب اور غاضبانہ ہتھکنڈوں سے کس طرح روک سکتا ہے۔؟

تشدد اور جبر کی پالیسیوں کے ساتھ ساتھ قابض کی کاؤنٹر تحریک کی دیگر پالیسیاں ماہِ جولائی میں بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہیں جن میں اسکی عدلیہ سمیت دیگر اداروں اور انکے واکداروں نے اپنا حصہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی۔مگر ان کی اپنی ہی تضاد بیانیوں نے انکی تمام تر جھوٹ کا پردہ چاک کر کے انکی سازشوں کو طشتِ ازبام کر دیا۔آیئے ذرا انکے بیانات کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

☆ دنیا ہماری ایجنسیوں کے خلاف ہے۔لاپتہ افراد معاملے میں ایجنسیوں کو ملوث کرنا درست نہیں (سیکریٹری دفاع)

☆ وفاقی ایجنسیاں بلوچستان میں آزادانہ کاروائیاں کرتی ہیں (پاکستانی وزیراعظم)

☆ بات ہاتھ سے نکل گئی تو تب اقدامات کرو گے؟ اگر بلوچستان کے لاپتہ افراد کے کیس کی سماعت بند کر دیں تو جلوس نکلیں گے۔ نفرتیں بڑھیں گی۔لاپتہ افراد کے لواحقین کی تعداد اس لیئے کم

نہیں ہورہی کی انکے پیارے بازیاب ہورہے ہیں بلکہ اس لیئے کم ہورہی کے کہ انکا اعتماد ملکی اداروں پر سے اٹھ گیا ہے (سپریم کورٹ)

فطرت سے عاری سامراجی تشکیل کردہ مصنوعی ڈھانچے پر قائم ریاست پاکستان کی یہ ثقافت ہے کہ سکے کردار کو سمجھنے کیلئے کسی باقاعدہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اسکے اپنے کارندوں اور اداروں کی آپس کی رسہ کشی اور ایک دوسرے کے بھید کھولنے پر سبقت لے جانے کی کوشش خود اسکے تمام تر کالے کرتوتوں پر سے پردہ اٹھا کر اسکے کردار کو پوری طرح بے نقاب کرتی ہے۔ انار کی کے دلدل میں پھنس کر اپنے وجود کی انت کو پہنچ کر مگر سامراجی مگر مچھوں کی آکسیجن سے اپنی آخری سانسیں جیتا پاکستان کے تمام ادارے، سیاسی پارٹیاں اور تمام مکتبہ فکر کے لوگ بلوچ قومی تحریک کی کاؤنٹر پالیسی پر متفق ہونے کے باوجود بھی جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے کے مصداق اپنے ہی جھوٹے بیانات کے خول میں پھنس سارا سچ خود بخود اگل رہے ہیں۔ سیکریٹری دفاع نے یہ تو بیان کردیا کہ دنیا انکی ایجنسیوں کے خلاف ہے مگر اس بات کی وضاحت کرنا گوارہ نہیں کیا کہ بھلا اس مخالفت کی کیا وجہ ہے؟ اس بات کا ادراک شاید موصوف سیکریٹری کو بھی ہے کہ اس کے سیکیورٹی ایجنسیوں کے کالے کرتوتوں سے دنیا اب پوری طرح واقف ہوچکی ہے۔ آج دنیا انکی ایجنسیوں کو ایک ملک کے ذمہ دار اداروں کی حیثیت سے نہیں بلکہ محکوم بلوچ کی نسل کش ڈیتھ اسکواڈ اور دنیا میں دہشگردی کا بازار گرم کرنے والے القاعدہ، طالبان اور حقانی نیٹ ورک کے دوسرے روپ کے طور پر جانتی ہے۔ اسی لیئے پاکستان کے سیکریٹری دفاع بلوچ فرزندوں کی اغواء اور مسخ شدہ لاشیں پھینکنے میں ملوث ہونے سے اپنی ایجنسیوں کو بری الذمہ قرار دے کر انکے جرائم پر پردہ ڈال کر عالمی برادری کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر قابض ریاست کے کھلونے وزیراعظم نے بلوچستان میں اپنی ایجنسیوں کو بلوچ نسل کشی، قتل و غارتگری، چوری ڈکیتی اور اغواء و بھتہ خوری میں کھلی چھوٹ دینے کا اعتراف کرکے یہ بات خود بخود عیاں کردی کہ بلوچ قوم پر ظلم و جبر کے قہر ڈھانے میں کوئی ایک ادارہ ملوث نہیں بلکہ پوری کی پوری ریاستی مشینری سرگرم ہے۔

دوسری طرف بلوچ قومی تحریک کی عالمی پذیرائی کے بعد حرکت میں آنے والی سپریم کورٹ نے بھی ریاستی جرائم پر پردہ ڈالنے کی جست میں پورا مہینہ صرف کیا جو گزشتہ تین چار مہینوں سے بلوچ قوم کو انصاف کی فراہمی کا جھوٹا شوشہ چھوڑ کر ایک طرف بلوچ قوم کے دل میں اپنے خلاف پائے جانی والی نفرت کی شدت کو کم کرنے تو دوسری طرف عالمی برادری کو یہ تاثر دینے کہ بلوچ نسل کشی میں پوری ریاست نہیں بلکہ چند ایک ادارے ملوث ہیں کی لاحاصل کوششوں میں مصروف ہیں۔ مگر پھر وہی قصہ۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے اپنے ہی بیانات نے اسکے چہرے کو پوری دنیا کے سامنے عیاں کردیا۔ سپریم کورٹ نے یہ کہہ کر کہ اگر سماعت ہوئی تو جلوس نکلیں گے، نفرتیں بڑھیں گی بچی کچھی کسر پوری کردی کہ وہ گزشتہ کئی مہینوں سے جو نام نہاد سماعتوں کا ڈھونگ رچا رہی تھی، اسکا مقصد کسی کو انصاف کی فراہمی یا انسانی حقوق کی پامالیوں کو روکنا نہیں بلکہ بلوچ قوم کے دل میں قبضہ گیر کے خلاف جلنے والی نفرت کی آگ کو ٹھنڈا کرکے اسے احتجاج و جلسے جلوسوں سے روک کر انسانی حقوق کی تنظیموں اور عالمی برادری کی توجہ کو انکی طرف مبذول ہونے سے روکنا ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ اعتراف بھی کیا کہ ان پر بلوچوں کو اب اعتماد نہیں رہا اس لیئے اب بات کو ہاتھ سے نکلنے نہ دیا جائے بلکہ اس ''لاپتہ

افراد اور بلوچ'' کے قصے کو ختم کرنے کیلئے یہیں سے اقدامات کیئے جائیں جسکے بعد طے شدہ منصوبے کے تحت وفاقی حکومت نے سپریم کے احکامات پر من وعن عمل کرنے کیلئے وفاقی وزیر قانون کی سربراہی میں ذیلی کمیٹی اور بلوچ نسل کش فورس ایف۔سی نے حصوصی سیل تشکیل دے کر بلوچ فرزندوں کے اغواء اور مسخ شدہ لاشیں پھینکنے کی پالیسی میں مزید شدت لانے کے واضح اشارے دیئے۔ نام نہاد کٹھ پتلی صوبائی حکومت نے بھی مقبوضہ بلوچستان میں امن و امان کی بحالی کے نام پر ا بلوچ آزادی پسندوں کے خلاف بڑے پیمانے پر فضائی کاروائی کا اعلان کر کے سپریم کورٹ کے حکم کی بجا آوری کی قسم اٹھائی اور ساتھ ہی کابو، اسپلنجی ، تلینٹ اور پیشکان اور پنجاب حکومت نے بگٹی مہاجرین کے خلاف کاروائیاں شروع کر کے قبضہ گیر کے ناپاک منصوبے کی ابتداء بھی کردی۔

سپریم کورٹ کے اپنے اوپر بلوچ عوام کی عدم اعتماد کے اعتراف کے باوجود اپنے چہرے پر قوم پرستی کا جھوٹا ماسک چڑھائے نیشنل پارٹی اور بی این پی مینگل نے ''سپریم کورٹ آخری امید ہیں'' کی رٹ لگا کر اسے یہ جتانے کی کوشش کی کہ آپ اپنا دوغلا کردار نبھاتے رہیں، بلوچ عوام کا آپ پر اعتماد بحال کرنے کی کوشش ہم کریں، گے کیونکہ جس مقصد کیلئے آپ ساعتوں کا ڈرامہ رچا کر بلوچ قوم کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہے ہو، ٹھیک اسی طرح کی کوشش ہم بھی بلوچ قوم پر ظلم کا رونا رو کر مگر حقیقت میں اس ظلم میں برابر کے شریک ہو کر کر رہے ہیں۔ بی این پی کا تو یہ طرہِ امتیاز ہے کہ وہ امید امید کا رٹ لگا کر بیک وقت تمام قوتوں سے امید لگائے بیٹھی ہے۔ مثلاً ریاست اور اسکے اداروں سے یہ امید کہ وہ اسکے الیکشن اور اقتدار و کرسی کے خواب کو شرمندہ تعبیر کریں گے جو حقیقت میں بلوچ سرزمین پر ناممکنات میں سے ایک ہے، آزادی پسندوں سے یہ امید کہ وہ عوام کے سامنے اسکے کردار کو بے نقاب نہیں کریں گے۔ اقوام متحدہ سمیت عالمی برادری سے یہ امید کہ وہ بلوچ سرزمین کی اصل طاقت آزادی پسندوں کو صرفِ نظر کرتے ہوئے اسکے نام نہاد حق خود اداریت کے نعرے کو زیادہ اہمیت دیں گے۔

اگر ریاستی اداروں اور پارلیمانی پارٹیوں کے مذکورہ بالا گٹھ جوڑ پر طائرانہ نظر دوڑائی جائے تو یہ حقیقت خود بخود عیاں ہو جائیگی کہ بلوچ دشمن عناصر آنے والے پارلیمانی انتخابات کی راہ ہموار کرنے کیلئے اپنی راہ میں حائل رکاوٹوں (آزادی پسند و عام بلوچ عوام) کو راستے سے ہٹانے کا پوری طرح سے تہیہ کر چکے ہیں ۔ کیونکہ مذکورہ بالا دونوں قوتوں کی موجودگی میں قابض ریاست اور اسکے گماشتوں کا بلوچ سرزمین پر الیکشن کے انعقاد کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا جس میں انکی سانس اٹکی ہوئی ہے۔

جھوٹ کے پلندے میں لپٹا دروغ گوئی کا چلتا پھرتا نمونہ رحمان ملک بھی ہمیشہ کی طرح بلوچ قومی فوج کے خلاف زہر افشانی میں کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ موصوف نے یہ بیان داغ دیا کہ'' بی۔ایل۔اے میں بھرتی کیلئے الگ الگ ڈالر دیئے جاتے ہیں ''۔

ڈالر کے عوض اپنی عزت، غیرت غرض اپنی ہر ایک چیز گروی رکھنے والے سامراجی کاسہ لیس ریاست کے کارندوں کو کیا معلوم کہ سنگلاخ پہاڑوں کو مسکن بنانے والے سرمچاروں کی قربانیوں کا ثمر غیر ملکی ڈالر یا چند ٹکے نہیں بلکہ قومی فرزندوں کے خون سے نشو ونما پانے والا آزادی کا لہلہاتا فصل ہے۔ مگر جس کا ضمیر غلام ہو تو اسے دنیا کا ہر شخص اسکی اپنی طرح مفادات اور نوٹوں کی چمک دمک کا قیدی نظر آتا ہے۔ بلوچ قومی سرمچاروں پر ڈالر وصول

کرنے کے بے بنیاد الزامات نئے ہیں۔ بلوچ قوم کو مکا دکھانے اور بعد میں خود خطے سے دم دبا کر بھاگنے والے مشرف سے لیکر آج کے رحمان ملک تک سب اس طرح کے شوشے چھوڑتے چلے آرہے ہیں مگر حاصل کچھ نہیں۔

جناب موصوف کا دوسرا بیان تھا کہ دہشگرد (جس سے اسکا اشارہ بلوچ آزادی پسندوں کی جانب تھا) رابطوں کیلئے انٹرنیٹ کا استعمال کرتے ہیں اسی لیئے سوشل میڈیا کو قانون کے دائرے میں لانے کی ضرورت ہے۔ جواس بات کی جانب واضح اشارہ تھا کہ مقامی و عالمی میڈیا کو مقبوضہ بلوچستان کے حالات کے کوریج سے روک کر وہاں کیئے گئے اپنے جرائم کو دنیا کی نظروں سے اوجھل رکھنے کی تمام تر کوششوں کے باوجود بلوچ آزادی پسندوں کی انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے اپنی آواز دنیا تک پہنچا کر پاکستانی جرائم کو طشت از بام کرنے سے خائف ہوکر غیر مہذب ریاست بلوچ میڈیا سمیت ہر اس ذرائع پر قدغن لگانے کا فیصلہ کرچکی ہے جو بلوچ قوم کی آواز کو دنیا تک پہنچانے کا باعث ہو سکے، جسکے ساتھ ہی بلوچ قوم کی آواز توار سمیت متعدد دیگر متعدد بلوچ ویب سائٹس کو پاکستان میں بلاک کردیا گیا۔ روزنامہ توار حق وسچ کی پرچار اور حقیقت کے اظہار کی پاداش میں اپنے اجراء کے وقت سے ہی دشمن کے اوچھے ہتھکنڈوں کے زیر عتاب چلا آرہا ہے۔ کبھی اسکے ایڈیٹر سمیت پورے سٹاف کو قتل کی دھمکیاں دی گئیں، کبھی ریاست نے اپنے گماشتوں کے ذریعے اسکے خلاف ہرجانے کا دعویٰ دائر کرنے سے لیکر کاپیوں تک کو نظر آتش کرادیا۔ کوئٹہ میں نیوز ایجنٹ کو ڈرا دھمکا کر اسکی ترسیل سے روک دیا۔ جب تمام تر ہتھکنڈوں سے اس کا دل نہیں بھرا تو دنیا بھر تک بلوچ کی آواز پہنچانے والے توار کی ویب سائٹ کو بلاک کردیا۔

آزادی کے پیاسے شہید کامریڈ قیوم، شہید لالہ حمید، شہید احمد داد اور رحمان عارف کے شہر گوادر کے بلوچ عوام کو ایک بوند پانی کو ترسا کر انہیں پانی کے مصنوعی بحران میں الجھا کر قومی تحریک سے انکی توجہ ہٹا کر گوادر پر قبضہ جمانے کی اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے قبضہ گیر اور اسکے گماشتے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ اس طرح کی ایک مثال ہمیں چائنا میں بھی ملتی ہے جہاں افیون وار کے دوران قابض برطانیہ نے وہاں خوراک کا مصنوعی بحران پیدا کرکے پہلے چینی عوام کو نانِ شبینہ کا محتاج بنادیا پھر انکی سوچ کو دوسری طرف منتقل کرنے اور اپنے لیئے ہمدردیاں سمیٹنے کیلئے اڑتے جہازوں پر سے بسکٹ کے پیکٹ پھینکے تاکہ محکوم چینی عوام اسے اپنا خیرخواہ سمجھ کر اسکی قبضہ گیریت کے خلاف مزاحمت نہ کریں۔ ٹھیک اسی طرح آج پاکستان نے بھی دانستہ طور پر گوادر میں پانی کا بحران پیدا کرکے اپنے گماشتوں کے ذریعے پانی کیلئے احتجاجی ریلیاں منعقد کراکے نمائشی طور پر پانی کے ایک دو بحری بیڑے گوادر بھیج دیئے (جو حقیقت میں اسکی فوج کیلئے تھے) تاکہ گوادر کے بلوچ انہیں اپنا خیرخواہ سمجھ کر اسکے ناپاک عزائم کی تکمیل میں رکاوٹ نہ بنیں اور وہ گوادر جیسے بین الاقوامی اہمیت کے حامل شہر کے عوام کو عالمی طور پر اپنا ہمنوا ظاہر کرکے آسانی سے اپنے لوٹ مار کی پالیسیوں کو دوام دے سکے۔

قومی فوج بی۔ایل۔ایف نے قابض ریاست کے لوٹ مار کی خوابوں کو چکنا چور کرنے کیلئے پیشکان میں پاکستان کوسٹ گارڈ کے چیک پوسٹ پر حملہ کرکے 15 اہلکاروں کو ہلاک کرکے اسکی یہ غلط فہمی دور کردی کہ جس سیکیورٹی ادارے کے بل بوتے پر وہ گوادر پر قبضہ جمانے کا خواب دیکھ رہی تھی، بلوچ سرمچار اسے نشانہ بنا کر ایف۔سی کی طرح دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کرنے کی پوری سکت رکھتے ہیں۔

قومی فوج بی۔ایل۔اے نے بھی مارواڑ سے بلوچ وسائل کی

لوٹ کھسوٹ میں شریک 7 کانکنوں کو قتل اور 8 کو اغواء کر کے بلوچ معدنی دولت کی لوٹ مار شریک ہر قوت کو نشانہ بنانے کا اعلان کیا۔ جسے صوبائی حکومت اور در پردہ قوتوں کی آشیر باد سے بلوچ قومی تحریک کے خلاف زہر اگلنے والے پشتونخوا میپ نے بے قصور اور غریب مزدوروں کا قتل قرار دے کر خوب اچھالا۔

بلوچ سرمچاروں نے مقبوضہ بلوچستان میں جاری خونریز جنگ کے باوجود بلوچ سرزمین پر بسنے اور محنت مزدوری کرنے والوں پر چاہے انکا تعلق کسی بھی برادری یا قوم سے ہو کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا مگر تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کی کسی بھی تحریک آزادی میں محکوم اقوام کی وسائل کی لوٹ کھسوٹ میں حصہ لے کر قبضہ گیر کی معیشت کو سہارا دینے اور محکوم قوم کی موت کا سامان پیدا کرنے میں ساجھے دار بننے والوں کو کبھی بخشا نہیں گیا۔ بلوچ سرمچار بھی اسی تاریخی تسلسل کو دہرا رہے ہیں ۔ بار بار تنبیہ کے باوجود بھی بلوچ دشمن ریاست کی لوٹ کھسوٹ میں شریک ہو کر بلوچ نسل کشی میں حصے دار بننے والوں کو غریب مزدور وہاری کسی صورت قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ ایک طرح سے وہ بھی سامراج کے دستِ بازو کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہمیشہ کی طرح چھوٹے سردار اختر جان نے 15 جولائی 2012 کو حبیب جالب کی برسی کی مناسبت سے مگر حقیقت میں آنے والے انتخابات کے سلسلے میں منعقد ہونے والے جلسے سے ویڈیو لنک کے ذریعے خطاب کے دوران یہ کہہ کر کہ بلوچستان اقوام متحدہ کا راشن کارڈ نہیں کہ اسے افغان مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے اور دوسرے لمحے خود اپنی کہی گئی بات کی نفی کرتے ہوئے اپنے آپکو بلوچ قوم پرست رہنما کے بجائے بلوچستان میں بسنے والے تمام اقوام بشمول نوآبادکاروں کے نمائندے کے طور پر پیش کر کے اور اپنے اخباری بیانات کے ذریعے یہ شوشہ چھوڑ کر کہ اگر پشتون علیحدہ صوبے کی بات کریں گے تو ہم بھی ڈیرہ غازی خان تک بلوچ علاقوں کی بات کریں گے، بی۔این۔پی کے حق خودارادیت کے نعرے کے غبارے کی بچی کچھی ہوا بھی نکال دی۔ جوں جوں پاکستانی پارلیمانی انتخابات قریب آتے جا رہے ہیں بی این پی کے رہنماؤں کے بیانات کی دوڑ میں سب سے آگے نکلنے کی کوشش حق خودارادیت اور قوم پرستی کے دھند میں چھپے اسکے کردار کے آئینے کو پوری دنیا کے سامنے واضح کر رہی ہے۔

جناب سردار صاحب! بلوچستان اگر اقوام متحدہ کا راشن کارڈ نہیں تو بلوچ قوم نے کسی کو یہ اجازت بھی نہیں دی ہے وہ بلوچ سرزمین کو اپنی ملکیت کا کھیت سمجھ کر جسے چاہے بانٹ دے، پشتون اپنے علاقوں کی بلوچ سرزمین سے علیحدگی کی بات کریں گے تو آپ ڈیرہ غازی خان اور بلوچ سرزمین کے دیگر حصوں کی بات کریں گے ورنہ نہیں۔ بلوچ قوم دنیا کے ہر فورم پر کراچی، ہلمند، نمروز تا بندر عباس اپنے تاریخی سرزمین کا دعویدار رہا ہے۔ بی این پی مینگل کے سربراہ کی مذکورہ بالا باتیں اسکے حق خودارادیت کے نعرے میں ابہام کو خود بخود ظاہر کرتی ہیں، کیونکہ حق خودارادیت کا دعویٰ بھی اگر کیا جاتا ہے تو قومیت اور تاریخی سرزمین کی بنیاد پر نہ کہ سامراجی تشکیل کردہ سرحدوں کی بنیاد پر۔

بلوچ خواتین کی قومی تحریک میں جوق در جوق شمولیت نے بھی غیر فطری ریاست کے پاؤں تلے زمین نکال دی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ اپنی میڈیا اور دانش سے عاری دانشوروں کے ذریعے یہ پروپیگنڈہ کرتا چلا آرہا تھا کہ بلوچ سماج میں عورتوں کو چار دیواری تک محدود کر کے ان پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں مگر موجودہ جنگ آزادی میں بلوچ خواتین کی قابل دید کردار خاص طور پر انسانی حقوق کی پامالیوں کی طرف عالمی اداروں کی

توجہ مبذول کرانے میں اہم کردار نے دشمن کے تمام تر جھوٹے پروپیگنڈوں کو غلط ثابت کر کے اسے حواس باختہ کر دیا ہے۔ اسی لیئے حسبِ سابق اس نے قوم پرستی کا لبادہ اواوڑھے اپنے پارلیمانی باجگزاروں کو بلوچ خواتین کی سوچ کو آزادی سے غلامی کی جانب منتقل کرنے کا ٹاسک دے دیا ہے۔ جسکی ابتداء بی ا۔ین۔پی مینگل نے سریاب اورنیشنل پارٹی نے وحدت کالونی کوئٹہ میں اپنے یونٹس کھول کر کی۔نیشنل پارٹی کے صدرڈاکٹر مالک نے تو وحدت کالونی میں خواتین کے ایک اجتماع سے خطاب کے دوران یہ تک کہہ دیا کہ بلوچ خواتین فلسطین کی لیلیٰ خالد، زرہ فاطمہ اور الجزائر کی جمیلہ کی تقلید کر کے انقلاب برپا کریں۔اس دوران اجتماع میں شریک ذی شعور خواتین ضرور ہنس دیئے ہوں گے کہ ڈاکٹر صاحب جن خواتین کی مثالیں دے رہے ہیں وہ آزادی کی جدوجہد کے علامت کے طور پر جانی جاتی ہیں۔لیلیٰ خالد کو دنیا فلسطین کی جدوجہد آزادی کی شہزادی کے طور پر جانتی ہے، جمیلہ اپنے امیر باپ کی دولت اورعیش وعشرت کی زندگی کو ٹھکرا کر شاہراہ آزادی کا انتخاب کرنے والی علامت کے طور پر جانی جاتی ہیں ۔مگر ڈاکٹر مالک تو یہاں آزادی سے غلامی (پاکسانی پارلیمنٹ) کی طرف سفر کا درس دے ہیں ۔ اپنے اجتماعات میں انسانی آزادی کی جدوجہد کے علامت ماؤزے تنگ اور چے گویرا کی مثالیں دینے والا مگر خود انکے برعکس غلامی کا پرچار کرنے والا ڈاکٹر مالک اب شاید بلوچ خواتین کو بھی اپنی آزادی کی سوچ میں تبدیلی لاکر غلامی کا سوچ اپنانے کا درس دے رہے ہیں۔

عالمی منظر نامے پر نیٹو سپلائی کی بحالی سمیت پاک امریکہ بنتے بگڑتے تعلقات اورشام میں جاری خونریز لڑائی چھائے رہے۔ سلالہ چیک پوسٹ پر امریکی حملے میں 26 پاکستانی فوجیوں کی ہلاکت کے پاکستان نے امریکہ کو بلیک میل کرنے اورمزید ڈالر بٹورنے کیلئے افغانستان میں طالبان کے خلاف لڑنے والے نیٹو فورسز کی سپلائی لائن بند کردی تھی جو بالآخر پاکستان کی جانب نیٹو ٹینکرز پر لگائی گئی ٹیکس کی رقم میں اضافے کے بعد بحال ہوئی۔ عجیب بات ہے ایک طرف امریکہ پاکستان پر دہشتگردی کی سرپرستی کا الزام لگا کر اسکی عسکری امداد میں کٹوتی کرتا ہے تو دوسری اسی دہشتگرد ریاست کو محصولات کی مد میں اربوں ڈالر دے کر اپنی موت کا سامان خود پیدا کرتا ہے۔اس حقیقت کا اظہار بلوچ آزادی پسندوں سمیت خطے کی سیاست پر نظر رکھنے والے ماہرین بار بار کر چکے ہیں اوراس بات کا ادراک شاید امریکہ کو بھی ہے کہ جنوبی ایشیاء سمیت پوری دنیا میں دہشتگردی کی اصل جڑ القاعدہ، طالبان، اورحقانی نیٹ ورک نہیں بلکہ انکی سرپرستی کرنے والی پاکستانی ایجنسیاں ہیں ۔مذکورہ تنظیمیں تو صرف مہرے کے طور پر استعمال ہورہی ہیں۔امریکہ چاہے لاکھ حقانی نیٹ ورک اور دیگر تنظیموں کو دہشتگرد قرار دے، جبتک دہشتگردی کی فیکٹری (پاکستان) باقی ہے دنیا میں دہشتگردی کے خاتمے کا خواب دیکھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے کے سوا کچھ نہیں۔دنیا میں دہشتگردی کا خاتمہ دہشتگرد پیدا کرنے والی ریاست پاکستان کے وجود کے خاتمے میں مضمر ہے۔اوراب ممبئی حملوں کے الزام میں گرفتار آئی۔ایس۔آئی کے ایجنٹ ابوجندل نے یہ انکشاف کہ ''ممبئی حملوں میں پاکستانی ہائی کمیشن نے تعاون'' کر کے اس حقیقت کی فضا کو مزید صاف کر دیا کہ ریاست پاکستان کے صرف عسکری ادارے نہیں بلکہ پوری ریاستی مشینری دہشتگردی کی پرورش میں مصروف ہے۔مگر ان تمام کے باوجود عالمی طاقتوں نے نہ صرف پاکستان کی تمام شیطانی کرتوتوں سے چشم پوشی اختیار کر رکھی ہے بلکہ اسے بلوچ جیسے محکوم قوم کی نسل کشی کا لائسنس

دے کر قتل عام کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ نیٹو سپلائی کا ایک بڑا حصہ جو بلوچ سرزمین پر سے گزرتا ہے، عالمی طاقتیں سرزمین کی حقیقی وارث بلوچ قوم سے مذاکرات کے بجائے قبضہ گیر، بلیک میلر اور بلوچ نسل کشی میں مصروف ریاست سے مذاکرات میں مصروف ہیں جو انکی بلوچ نسل کش پالیسیوں میں برابر کے شریک ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عالمی طاقتیں نیٹو سپلائی سمیت بلوچ سرزمین سے منسلک دیگر معاملات میں کس طرح بلوچ قوم سے مذاکرات کرنے پر مجبور ہوسکتی ہیں۔ یہ بلوچ قومی تحریک کی شدت اور بلوچ رہنماؤں کی انٹرنیشنل Lobying پر منحصر ہے۔

عرب خطے کی تاریخی سرزمین شام بھی مطلق العنان بادشاہ اور مخالفین کی جنگ اور عالمی طاقتوں کی رسہ کشیوں کے درمیان سینڈوچ بنا ہوا ہے۔ جہاں جاری کشت و خون میں گزشتہ ماہ ہزاروں افراد لقمہ اجل بن گئے۔ 2011 کے آغاز کے ساتھ ہی عرب دنیا میں تیونس سے تبدیلی کی جو ہوا چلی تھی، وہ مصر، لیبیا سے ہوتا ہوا اب شام میں داخل ہو چکا ہے۔ بعض تجزیہ نگار اسے عرب دنیا میں انقلاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر میری رائے میں انہیں مکمل انقلاب قرار دیا نہیں جا سکتا کیونکہ حقیقی اور مکمل انقلاب تب آتا ہے جب سماج کا بنیادی ڈھانچہ تبدیل ہو۔ لیکن تیونس، مصر اور لیبیا میں ہونے والی تبدیلیوں نے مطلق العنان بادشاہوں اور آمروں کے چہرے تبدیل کر کے لولی لنگھڑے جمہوری چہروں کو تو اقتدار کی کرسی پر تو بٹھا دیا مگر وہ سماج کا بنیادی ڈھانچہ تبدیل کرنے میں ناکام رہے۔ عوام کا خون چوسنے والے اور استحصال کی اصل جڑ ''سامراج طاقتوں سے کیئے گئے معاہدے'' جوں کا توں ہیں۔ مصر میں آج بھی لوگ فوجی آمریت کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ اور اب مصر اور لیبیا کے بعد اب شام بھی صدر بشارالاسد اور مخالفین کے درمیان جنگ کا میدان بنا ہوا ہے جسکے ساتھ عالمی طاقتیں بھی بشارالاسد اور مخالفین کی حمایت میں دو گروپوں میں بٹ گئے ہیں۔ سلامتی کونسل میں شامی حکومت کے خلاف ہونے والی قرارداد کو روس اور چین نے ویٹو کر دیا ہے۔ اب بشارالاسد اپنے مخالفین کو دبانے میں کامیاب ہوگا یا حسنی مبارک اور معمر قذافی کی طرح تاریخ کے بے رحم شکنجے کا شکار ہوگا، یہ کہنا قبل از وقت ہے لیکن دمشق میں سیکیورٹی عمارت پر خودکش حملے میں شام کے وزیر دفاع داؤد رجیہا سمیت بشارالاسد کے دیگر کئی ساتھیوں کی ہلاکت کے بعد اسکا منظر عام سے روپوش ہونا اس تاثر کو تقویت بخشتا ہے کہ اب شاید بشارالا کی آمریت کا سورج ڈوبنے والا ہے۔

عرب خطے یا دنیا میں تیزی سے رونما ہونے والی دیگر سیاسی، معاشی اور اقتصادی تبدیلیاں یا امریکہ ایران کشمکش یقیناً مقبوضہ بلوچستان جیسے اہم خطے میں جاری بلوچ تحریک آزادی پر بھی اثر انداز ہوں گی جن سے نمٹنے کیلئے بلوچ قیادت کو حالات و واقعات کے مطابق حکمت عملی ترتیب دینا ہوگی۔

جابریت کئی عظیم سروں کو اپنے آگے سجدہ ریز کرنے کی سعی میں ناکام ہو کر انھیں تن سے جدا تو کر دیتا ہے، مگر اُن سے سجدے کروانے میں ناکام رہ جاتا ہے۔ ☆☆ **بانک کریمہ بلوچ** ☆☆

کونسل سیشن سے متعلق اخباری بیانات

ادارہ

☆ عمل کے لئے ! غور و فکر ☆

Daily TAWAR Mastung

روزنامہ توار

ایڈیٹر: خادم لہڑی

www.dailytawar.com

جلد نمبر 8	بروز بدھ 11 جولائی 2012ء بمطابق 20 شعبان المعظم 1433ھ ... قیمت 8 روپے صفحات چھ	شمارہ نمبر 250

انیسواں قومی کونسل سیشن آواران میں منعقد کیا جائیگا، بی ایس او آزاد

7،8،9، جولائی کو تمام زون اپنی شرکت یقینی بنائیں، اعلامیہ، سیشن سنگ میل ثابت ہوگا، ترجمان

کوئٹہ (پ ر) بی ایس او (آزاد) کے مرکزی اعلامیہ کے مطابق بی ایس او کا انیسواں قومی کونسل سیشن بیاد شہداء آزادی بنام اسیران آزادی 7,8,9 جولائی 2012 کو آواران میں منعقد کیا جائے گا لہذا تمام زونوں کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ قومی کونسل سیشن کی تیاریاں شروع کرکے بروقت اپنی شرکت کو یقینی بنائیں تفصیلات کے مطابق بی ایس او آزاد کا اٹھارواں قومی کونسل سیشن جو 21 نومبر 2008 کو بمقام بلوچستان یونیورسٹی شال میں منعقد کیا گیا تھا مگر پاکستانی ریاست کی بربریت اور دہشت اور بی ایس او آزاد کے 100 کے قریب ممبران کی شہادت و اغواہ کی وجہ سے کونسل سیشن کا انعقاد نہیں کیا جاسکا لیکن اب بی ایس او آزاد کے سینئر ممبران سے تفصیلی مشورے کے بعد بی ایس او کے انیسویں قومی کونسل سیشن کے انعقاد کا اعلان کردیا گیا ہے جو 7,8,9 جولائی 2012 کو بمقام آواران منعقد کی جارہی ہے بی ایس او آزاد کے مرکزی ترجمان کے مطابق ان پرآشوب حالات میں بی ایس او کا قومی کونسل سیشن بلوچ تحریک آزادی میں سنگ میل ثابت ہوگا۔

بی ایس او آزاد
کا انیسواں کونسل
سیشن شروع

بلوچ قوم نے جو ذمہ داری سونپی اُس کی تکمیل اپنے خون سے کرنا ہے

بی ایس او آزاد کا انیسواں کونسل سیشن آواران میں شروع ہوگیا، افتتاح قومی ترانے سے ہوا، دشمن بلوچستان میں اپنے قبضے کو دوام دینے کیلئے خونی کھیل کھیل رہا ہے، چیئرمین بی ایس او

آواران (پ ر) بی ایس او آزاد کے مرکزی ترجمان کے مطابق بی ایس او کا انیسواں قومی کونسل سیشن بیاد شہداء آزادی بنام اسیران آزادی مرکزی چیئرمین بی ایس او آزاد آواران میں شروع ہوئی تمام زونوں کے کونسلران نے شرکت کی کونسل سیشن کا افتتاح بلوچی قومی ترانے سے ہوا اور سیکریٹری رپورٹ، تنظیمی امور، آئین، عالمی و علاقائی سیاسی صورتحال، آئندہ لائحہ عمل، الیکشن زیر بحث ایجنڈا تھے ایجنڈا کے افتتاح میں چیئرمین بی ایس او آزاد نے افتتاحی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بی ایس او کا انیسواں قومی کونسل سیشن ایسے انقلابی حالات میں ہورہا ہے جہاں ہر طرف دشمن بلوچستان پر اپنے قبضے کو مستحکم کرنے کیلئے خونی کھیل کھیل رہی ہے ہزاروں بلوچ فرزندوں کو شہید اور ہزاروں کو پابند سلاسل کردیا ہے تاکہ بلوچ قومی تحریک آزادی کو بزور طاقت ظلم و جبر سے کمزور کرسکے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ قوموں نے اپنی قومی آزادی کی خاطر دشمن کے ظلم و جبر کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے اپنے عظیم قومی و انسانی مقصد سے دستبردار نہیں ہوئے اور آج دنیا میں سرخرو ہیں آج پھر تاریخ نے ہمیں (بلوچ قوم) کو ایسی ہی ذمہ داری سونپ دی ہے جس کی تکمیل ہمیں اپنے خون سے کرنا ہے تاکہ ہم انسانیت کے ماتھے پر لگے داغ کو مٹا سکیں قومی آزادی و انقلاب کیلئے ہمیں بیش بہا قربانیاں دینی ہوں گی تاکہ اپنے مادر وطن کے ماتھے پر سے اغیار کی داغ غلامی کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹا کر بلوچ شہداء اور اسیران کے عظیم مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں سیشن کے پہلے دن سیکریٹری رپورٹ، تنظیمی امور اور آئین زیر بحث ایجنڈا تھے اجلاس کل دوسرے روز بھی جاری رہے گا۔

بی ایس او آزاد کونسل سیشن اختتام پذیر آج حلف برداری جلسہ ہوگا

آزادی کا راستہ کٹھن و تکلیف دہ ضرور ہے مگر منزل عظیم ہے

سیشن میں کابینہ و مرکزی کمیٹی کا چناؤ عمل میں لایا گیا، قومی آزادی و انقلاب کیلئے جدوجہد جاری رکھنے کا عزم کیا گیا 100 ممبران کی شہادت و اغواء ہمیں اپنے مقصد سے نہ ہٹا سکے، چیئرمین

آواران (پ ر) بی ایس او کا انیسواں قومی کونسل سیشن اختتام پذیر کابینہ اور مرکزی کمیٹی کا چناؤ قومی آزادی و انقلاب کیلئے جدوجہد جاری رکھنے کا عزم۔۔تفصیلات کے مطابق بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کا انیسواں قومی کونسل سیشن دوسرے دن بھی جاری رہا جس میں آئین سازی، عالمی و علاقائی سیاسی صورتحال، نئے کابینہ کا چناؤ، چیئرمین کا اختتامی خطاب سمیت دیگر اہم ایجنڈے زیر بحث رہے۔جن پر تمام کونسلران نے بحث کی اور آخر میں نئے کابینہ کا چناؤ کیلئے الیکشن کمیٹی تشکیل دی گئی۔مرکزی کابینہ کے 7 عہدوں کیلئے 7 امیدواروں نے کاغذات جمع کرائے اور بلا مقابلہ منتخب ہوگئے مرکزی کمیٹی کے تمام ممبران بھی بلا مقابلہ منتخب ہوگئے۔آخر میں چیئرمین نے اپنے اختتامی خطاب میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ نوجوانوں کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں بی ایس او جیسا عظیم پلیٹ فارم نصیب ہوا ہے 46 سالوں سے لاکھوں نوجوان اسی پلیٹ فارم سے نظریاتی و فکری تربیت حاصل کر کے بلوچ قومی آزادی کی جدوجہد میں مستقل مزاجی سے تاریخی کردار کرتے چلے آرہے ہیں، ہزاروں شہید اور ہزاروں آج تک زندانوں میں جبر و تشدد برداشت کررہے ہیں شہید حمید، شہید فدا، شہید غلام محمد، شہید ڈاکٹر خالد، شہید حمید شاہین، شہید آغا عابد شاہ، شہید سنگت ثناء، شہید شفیع، شہید کامریڈ قیوم، شہید قمبر چاکر جیسے نڈر اور پختہ عزم رکھنے والے لیڈر بی ایس او کے پلیٹ فارم سے تربیت پاکر قومی آزادی کیلئے جام شہادت نوش کر چکے ہیں اور ڈاکر مجید جیسے بے باک لیڈر اذیت خانوں میں جبر و تشدد کا جوان مردی سے مقابلہ کررہے ہیں تو وہیں میر عبدالنبی بنگلزئی اور ڈاکٹر اللہ نذر جیسے لیڈران بھی بلوچ قومی تحریک میں وژنری لیڈر کی حیثیت سے تحریک آزادی میں نمایاں کردار ادا کررہے ہیں دوسری طرف بی ایس او آزاد کی مثالی جدوجہد سے خائف ریاست اور اسکے زرخرید دلال بی ایس او آزاد کے ہر ایک ممبر کو اپنے راستے کا کانٹا سمجھ کر اسے راستے سے ہٹانے کی مذموم سازشوں میں مصروف عمل ہیں۔ہم آج یہ واضح کرتے چلیں کہ بی ایس او آزاد کٹھن اور تکلیف دہ حالات سے گزر کر آج ایک تناور درخت بن چکا ہے جس کو مٹانا ریاست اور اسکے گماشتوں کے بس کی بات نہیں آزادی کا راستہ کٹھن اور تکلیف دہ ضرور ہے مگر ہم نے اپنے عظیم منزل کی خاطر اس تکلیف کو خندہ پیشانی سے قبول کیا ہے جسکی واضح مثال بی ایس او آزاد کے 100 کے قریب ممبران کی شہادت و اغواء ہمیں اس مقصد سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا سکے بلکہ ہمارا عزم اور بھی پختہ ہوگیا ہے چیئرمین نے خطاب جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ آج میں فخر محسوس کررہا ہوں کہ میں نے بھی اسی پلیٹ فارم سے فکری و نظریاتی تربیت حاصل کی ہے میں آج بی ایس او آزاد کے تمام ممبران اور بلوچ قوم کو بی ایس او کے انیسویں قومی کونسل سیشن کے کامیاب انعقاد پر مبارک دیتا ہوں اس امید کے ساتھ کہ وہ آنے والے کٹھن اور پرآشوب حالات میں اپنے جدوجہد کو نہ صرف جاری رکھیں گے بلکہ ایک نئے عزم کیساتھ اس میں مزید شدت لاکر مشکلات کا دیدہ دلیری سے سامنا کر کے اپنی جدوجہد میں ثابت قدم رہیں گے آج شہداء کی قربانیوں نے بلوچ قومی تحریک کو عالمی پذیرائی بخشی ہے اور دنیا آج بلوچ قوم پر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف اور بلوچ تحریک آزادی کی حمایت میں آواز اٹھانے پر مجبور ہوگئی ہے بی ایس او آزاد نے نہ صرف بلوچستان بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں اپنا جدوجہد جاری رکھا ہوا ہے آج بی ایس آزاد ایک بین الاقوامی تنظیم کے طور پر پوری دنیا میں ابھر کر سامنے آئی ہے جو بلوچ قومی تحریک اور بلوچ قوم کیلئے نیک شگون ہے بی ایس او آزاد کا انیسواں قومی کونسل سیشن کل تیسرے روز بھی جاری رہے گا جس میں حلف برداری کی تقریب اور جلسہ ہوگا۔

حلف برداری تقریب

نومنتخب کامریڈ کسی قربانی سے دریغ نہیں کرینگے

بی ایس او آزاد کابینہ اور مرکزی کمیٹی ممبران نے حلف لے لیا

مجھے امید ہے میرے فکری ساتھی آزادی کے سفر میں اپنی جدوجہد اسی طرح جاری رکھیں گے، آج ہر بلوچ باشعور ہو چکا ہے، نومنتخب چیئرمین

آواران (پ ر) بی ایس او کے انیسویں قومی کونسل سیشن کا تقریب حلف برداری اور جلسہ تیسرے روز منعقد الیکشن چیئرمین نے نومنتخب کابینہ اور مرکزی کمیٹی کے ممبران سے حلف لیا۔ تفصیلات کے مطابق 7 جولائی 2012 کو شروع ہونے والے بی ایس او کے انیسویں قومی کونسل سیشن کا تقریب حلف برداری اور جلسہ تیسرے روز رات گئے تک جاری رہا۔ بی ایس او کا انیسواں قومی کونسل سیشن جو 7 تا 9 جولائی 2012 کو بی ایس او آزاد کی جانب سے آواران میں منعقد کیا گیا تھا مختلف ایجنڈوں پر بحث ہونے کے بعد 8 جولائی 2012 کو الیکشن کے انعقاد کے بعد اپنے اختتام کو پہنچا تھا 9 جولائی 2012 کو سیشن کے آخری روز تقریب حلف برداری اور جلسہ منعقد ہوا جس میں الیکشن کمیٹی کے چیئرمین نے نومنتخب کابینہ اور مرکزی کمیٹی کے ممبران سے حلف لیا۔ تقریب حلف برداری سے خطاب کرتے ہوئے الیکشن چیئرمین نے نومنتخب کابینہ، مرکزی کمیٹی کے ممبران، بی ایس او آزاد کے کارکنوں سمیت پوری بلوچ قوم کو تاریخی کونسل سیشن کے انعقاد پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ بلوچ قوم کو بی ایس او آزاد سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ نومنتخب کامریڈز آزادی کے دشوار گزار سفر میں آنے والے مشکلات کا جوان مردی سے سامنا کرتے ہوئے آزادی کے کاروان کو منزل مقصود تک پہنچانے کیلئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے تقریب سے نومنتخب چیئرمین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بی ایس او آزاد اپنے درجنوں مخلص ساتھیوں کی قربانی دے کر تحریک آزادی میں صف اول کا کردار کر رہی ہے جو اسکی قومی تحریک کے ساتھ مخلصی کو ظاہر کرتی ہے اور مجھے امید ہے کہ میرے فکری ساتھی ہر آنے والے طوفان کا دیدہ دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے آزادی کے سفر میں اپنی جدوجہد کو اسی طرح جاری رکھیں گے آج اگر بلوچ قومی تحریک دنیا میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے تو اسکا سہرا بھی بی ایس او آزاد اور دیگر آزادی پسند جہدکاروں کے سر جاتا ہے جنہوں نے اپنے قیمتی جانوں کا نذرانہ دے کر تحریک آزادی کی اپنے خون سے آبیاری کی اور ان باطل قوتوں کو واضح پیغام دیا جو قابض کی پارلیمنٹ میں بیٹھ کر اسکے ساتھ بلوچ گلزمین کا سودا کرنے میں مصروف ہیں کہ آج ہر بلوچ باشعور ہو کر ریاست اور اسکے ایجنٹوں کی سازشوں سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہے اور آنے والا وقت ان ریاستی دلالوں کا خود احتساب کرے گا تقریب سے نومنتخب سینئر وائس چیئرپرسن، جونیئر وائس چیئرمین، سیکریٹری جنرل، کابینہ کے دیگر ارکان اور مرکزی کمیٹی کے ممبران نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تاریخ گواہ ہے کہ ہم سے پہلے بھی کئی مظلوم اقوام نے اپنی بقاء و آزادی کیلئے سامراجی قبضہ گیروں سے خون آلود جنگیں لڑی ہیں جنکی نسلیں آج دنیا میں ایک باوقار زندگی جی رہی ہیں اور ہم بھی آزادی کے کٹھن سفر میں ہزاروں سروں کی قربانی دینے پر نوحہ کناں نہیں بلکہ ان قربانیوں نے ہمارے عزم و ارادوں کو مزید پختہ بنا دیا ہے کیونکہ ہم سب کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ آزادی جیسی انمول چیز بغیر سروں کی قربانی سے نہیں ملتی آزادی کا پودا خون سے ہی نشوونما پا کر تناور درخت کی صورت میں سامنے آتا ہے ریاست اور اسکے پارلیمانی دم چھلوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جس تحریک کو شہداء نے اپنے خون سے جلا بخشی ہے اسکو ختم کرنا انکے بس کی بات نہیں یہ ایک نظریاتی جنگ ہے جو شعوری و فکری بنیادوں پر لڑی جا رہی ہے بدخواہ چاہے لاکھ سازشیں کر لیں اب آزادی کا کاروان کسی صورت بھی رُکنے والا نہیں۔

بی ایس او آزاد

پاکستان کی مدد کر کے امریکہ و نیٹو ممالک بلوچ نسل کشی میں شریک ہیں

پوری دنیا میں جاری دہشتگردی کی جڑیں جی ایچ کیو سے ملتی ہیں، نام نہاد پارلیمانی جماعتیں الیکشن کو قریب دیکھکر آزادی کی شدت کو کم کرنے میں مصروف ہیں، بی ایس او آزاد کی مرکزی کمیٹی اجلاس میں گفتگو

بی ایس او آزاد
لندن زون

کامیاب کونسل سیشن قابض قوتوں کی شکست ہے

پاکستان کی قابض قوتیں جتنا بھی ظلم وستم ڈھائیں لیکن وہ بلوچ تحریک کے کاروان کے آگے دیوار نہیں بن سکتے، شہدا کا مشن جاری رہیگا، بیان

لندن (پ ر) لندن زون کی جانب سے جاری کیے گیے بیان میں بی ایس او آزاد کے کامیاب کونسل سیشن کے انعقاد اور تمام نئے عہدیداروں اور سنٹرل کمیٹی کے ممبران کو دلی مبارکباد دی گئی۔ بیان میں کہا گیا کہ موجودہ حالات میں بی ایس او آزاد نے کامیاب کونسل سیشن کا انعقاد کر کے یہ ثابت کر دیا کہ چاہے پاکستان کی قابض قوتیں جتنا بھی ظلم و ستم ڈھائیں لیکن وہ بلوچ قومی جدوجہد کرنے والے شعوری کاروان کے آگے دیوار نہیں بن سکتے۔ بی ایس او آزاد نوجوان شہدا کی مشن کو منزل تک پہنچانے تک چین سے نہیں بیٹھی گی۔ بی ایس او آزاد لندن کے رہنماؤں نے کہا کہ ہم امید کرتے ہیں کہ بلوچستان کے آزادی کے بعد بھی نوجوان بلوچ مملکت کی جمہوری اداروں کی ترقی اور مظبوطی کے لیے شعوری کردار ادا کریں گے۔ نوجوان ملک وقوم کا سرمایہ ہیں۔ بی ایس او آزاد نے اپنے شعوری جدوجہد اور قربانیوں سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بلوچ قوم کے نوجوانوں کی نمائندہ تنظیم ہے جو دوسرے آزادی پسند تنظیموں کے ساتھ ملک کر بلوچ قومی آزادی کی جدوجہد میں مصروف عمل ہے۔

کامیاب کونسل سیشن آزادی کی نوید ہے، بی ایس او ناروے

قابض ریاست تمام کاششوں کے باوجود آزادی کا راستہ روکنے میں ناکام ہو چکی ہے

پاکستان وایران کے مصنوعی ڈھانچے میں بلوچ قوم کو مستقبل کی ہرگز گنجائش نہیں، بیان

ناروے (پ ر) بی ایس او آزاد ناروے زون نے اپنے جاری کردہ بیان کامیاب کونسل سیشن کے انعقاد کرانے پر نومنتخب سنٹرل کمیٹی کے ممبران، نئے عہدیداروں اور پوری بلوچ قوم کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ قابض ریاست اپنی تمام تر وحشیانہ اعمال کے باوجود بھی تحریک آزادی کا راستہ روکنے میں بُری طریقے سے ناکام ہوگئی ہے تحریکی ساتھیوں کی جبری گمشدگیوں اور مسخ شدہ لاشیں دے کر ریاست سمجھی کے ہمارے حوصلے پست ہو نگے، مگر باوجود ان تکلیف دہ حالات کے کامیاب کونسل سیشن کا انعقاد قبضہ گیر کی شکست ہے اور بلوچ قوم کی فتح ہے۔ آج ہم ایک قدم اور آزادی کے منزل سے قریب تر ہو گئے ہیں۔ بی ایس او آزاد ناروے زون نے اس امید کا اظہار کیا کہ بحرون ملک مقیم بلوچ طلب؟ و بلوچ کمیونٹی بھی حالات کی نزاکت کو جانتے ہوئے بلوچی جہد کیلیا پنے سرگرمیوں میں تیزی لائیں گے۔ اس بات کا ہمیں اچھی طرح سے ادراک ہونا چاہیے کہ پاکستان اور ایران ک مصنوعی ڈھانچے میں بلوچ قوم کے مستقبل کی ہرگز گنجائش نہیں۔

BSO آزاد نے طلباء کو سیاسی و علمی شعور جذبہ قربانی و اشتراک پسندی کا احساس دیا

بی این ایم

ملینٹ میں ایف سی کا پولیس ولیویز کی مدد سے سرچ آپریشن اور درجنوں افراد کا اغواء ریاستی جارحیت کا تسلسل ہے، بی ایس او آزاد کا میاب کونسل سیشن قابل تحسین ہے، ترجمان

کوئٹہ (پ ر) بلوچ نیشنل موومنٹ کے ترجمان نے کہا کہ بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد) نڈر و نظریاتی طلباء نے جن کٹھن حالات میں کونسل سیشن منعقد کیا وہ قابل تحسین ہے اور بلوچ جہد آجوئی کے خوش آئند ہوگی بی این ایم نومنتخب کابینہ و مرکزی کمیٹی کو مبارکباد دیتی ہے اور امید رکھتی ہے کہ بلوچ طلباء مادر وطن کی آزادی کے لئے ہر طرح کے علمی، سیاسی و تنظیمی صلاحیتوں سے لیس ہو کر نئے تجربات کے ساتھ جدوجہد کرتے رہیں گے اور طے کیئے گئے فیصلوں پر عمل پیر ہو کر منزل کو قریب تر لے آئیں گے 1967 سے لے کر آج تک بی ایس او نے طلباء کو سیاسی و علمی شعور دیا، قربانی کا جذبہ و اشتراک پسندی کا جدید احساس دیا، تخلیقی صلاحیتوں کے حامل شاعر، ادیب، سماجی و سیاسی رہنما دیئے ڈاکٹر اللہ نزر جیسا علمی و عملی سرمچار بی ایس آزاد کی بیش بہا دین ہے جنہوں نے بی ایس متحدہ کا قیام عمل میں لاکر آزادی کی جدوجہد کو طلبا تحریک میں واضح سمت دیا بی ایس او آزاد کی طرح دیگر آزادی پسند تنظیمیں بی آر ایس او، بی آر پی اور بی این ایم سمیت پورا بلوچ قوم قابض ریاستی ظلم، جبر و استحصال کا شکار ہے تنظیموں کے سیاسی کارکنوں کی ہم آہنگی و ہمکاری نے تحریک آزادی کو مزید تیز کر دیا ہے ترجمان نے مزید کہا کہ بلوچستان کے ساحلی شہر پسنی کے قریب ملینٹ میں ایف سی کا پولیس اور لیویز کی مدد سے سرچ آپریشن اور درجنوں افراد کا اغواء ریاستی جارحیت کا تسلسل ہے وہ اپنے اس طرح کے حرکتوں کے ذریعے بلوچ قوم کو خوفزدہ کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

بی اے او آزاد کا کونسل سیشن بلوچ قومی تحریک کی فتح ہے

بی آر پی

امید ہیکہ منتخب ساتھی جبر واستحصال سے نجات کیلئے جدوجہد جاری اور فارغ ساتھی بی آر پی اور بی این ایم کیساتھ وابستگی اختیار کرینگے، ترجمان شیر محمد بگٹی

کوئٹہ (آن لائن) بلوچ ری پبلکن پارٹی کی مرکزی آرگنائزنگ کمیٹی کے ترجمان شیر محمد بگٹی نے کہا ہے کہ بلوچ دشمن قابض ریاستی قوتیں بلوچ قوم کی نسل کشی کی جارحانہ پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں مشکل اور کٹھن حالات میں بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد) کی جانب سے کامیاب کونسل سیشن بلوچ قومی تحریک کی فتح ہے نومنتخب عہدیداروں کو مبارکباد دیتے ہوئے امید کا اظہار کرتے ہیں کہ بی ایس او کے ساتھی ظلم جبر اور استحصال سے نجات کیلئے جدوجہد جاری رکھیں گے اور بلوچ قوم میں شعور اجاگر کرنے میں اپنا مؤثر وعملی کردار ادا کریں گے ترجمان نے کہا کہ بلوچ دشمن قوتوں کی جانب سے جب بلوچستان میں بلوچ قومی شعور کو کچلنے کیلئے طاقت کا بے دریغ استعمال کیا جارہا ہے اور بلوچ نسل کشی کی جارحانہ پالیسیاں روا رکھی جارہی ہیں ان مشکل اور کٹھن حالات میں بی ایس او (آزاد) کی جانب سے انیسویں قومی کونسل سیشن کے کامیاب انعقاد اور نومنتخب عہدیداروں کو مبارکباد دیتے ہیں بی ایس او کے دوستوں نے مادر وطن کے لئے بے پناہ اور ناقابل فراموش قربانیاں دی ہیں جنہیں بلوچ قومی تحریک اور تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا اور اس امید کا اظہار کرتے ہیں کہ نومنتخب دوست بلوچ قوم کو قبضہ گیریت سے نجات دلانے کیلئے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے اور جو دوست بی ایس او سے فارغ ہوئے ہیں وہ بلوچ ری پبلکن پارٹی، بلوچ نیشنل موومنٹ و دیگر آزادی پسند تنظیموں کے ساتھ وابستگی اختیار کریں گے تاکہ قبضہ گیریت سے نجات کی جدوجہد کو مزید تیز کیا ترجمان نے کہا کہ بلوچ دشمن ریاست اور اس کے اداروں کی جانب سے بلوچ نسل کشی کی جارحیانہ پالیسیوں میں تیزی لائی گئی ہے آپریشن تسلسل کے ساتھ جاری ہے گذشتہ دنوں مچھ، مستونگ، گوادر سمیت مختلف علاقوں میں آپریشن کے دوران متعدد بلوچ فرزندان کو اغواء کرنے کے بعد لاپتہ کردیا ہم نے پہلے بھی واضح کیا کہ بلوچ دشمن ریاست عالمی برادری کی جانب سے ملنے والی امداد کو بلوچ قوم کی نسل کشی پر صرف کررہی ہے بلوچ فرزندوں کو ماورائے آئین وقانون لاپتہ کیا جاتا ہے ریاستی عقوبت خانوں میں انہیں غیر انسانی ظلم وتشدد کا نشانہ بنانے کے بعد ان کی گولیوں سے چھلنی مسخ شدہ لاشیں مختلف علاقوں میں پھینک دی جاتی ہیں امریکی کانگریس کے رکن ڈینا روہار بکر نے بلوچستان جاری ریاستی ظلم وجبر اور بلوچ نسل کشی سے متعلق قرارداد بھی پیش کی اور مطالبہ کیا کہ پاکستان کو دی جانے والی امداد روک دی ترجمان نے کہا کہ ہم امریکہ، نیٹو ممالک سے اپیل کرتے ہیں کہ بلوچستان میں جاری ریاستی ظلم وجبر کا نوٹس لیتے ہوئے فوری طور پر پاکستان کو عسکری ومالی امداد بند کی جائے اور انسانی حقوق اور عالمی قوانین کی خلاف ورزی کی مرتکب بلوچ دشمن ریاست کے خلاف کارروائی عمل میں لاتے ہوئے بلوچ قوم کو ریاستی ظلم وجبر سے نجات دلائی جائے جس کو 1948 سے قابض ریاست نے غلام بنا رکھا ہے۔